

# غروب آفتاب

05-17-2017



عادل عبور



## فہرست

### انٹرنیٹ

۱. بہتر گھر.....
۲. جلد کی حفاظت اور گھریلو نسخے.....
۳. کمپیوٹر وائرس.....

### بچوں کی دنیا

۵. بھوت.....

### مشورہ شاکسیت

۶. جنید جمشید دلوں میں زندہ رہے گا.....
۸. فن کی دنیا میں وحید مراد کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا.....

### معاشرہ ثقافت

۱۱. بہتر گھر.....
۱۲. بے چین.....
۱۵. ترقی.....
۱۶. نیپولین.....

## بہتر گھر

مصنف: یوسف اقبال

ایک شخص نے بہتر گھر خریدنے کیلئے اپنا پہلا والا گھر بیچنا چاہا۔  
اس مقصد کیلئے وہ اپنے ایک ایسے دوست کے پاس گیا جو جائیداد کی خرید و فروخت میں اچھی شہرت رکھتا تھا۔  
اس شخص نے اپنے دوست کو مدعا سنانے کے بعد کہا کہ وہ اس کے لئے گھر برائے فروخت کا ایک اشتہار لکھ دے۔  
اس کا دوست اس گھر کو بہت ہی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اشتہار کی تحریر میں اس نے گھر کے محل وقوع، رقبے، ڈیزائن، تعمیراتی مواد، باغیچے، سوئنگ پول سمیت ہر خوبی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔  
اعلان مکمل ہونے پر اس نے اپنے دوست کو یہ اشتہار پڑھ کر سنایا تاکہ تحریر پر اسکی رائے لے سکے۔  
... اشتہار کی تحریر سن کر اس شخص نے کہا، برائے مہربانی اس اشتہار کو ذرا دوبارہ پڑھنا۔ اور اس کے دوست نے اشتہار دوبارہ پڑھ کر سنا دیا۔  
اشتہار کی تحریر کو دوبارہ سن کر یہ شخص تقریباً چیخ ہی پڑا کہ کیا میں ایسے شاندار گھر میں رہتا ہوں؟  
اور میں ساری زندگی ایک ایسے گھر کے خواب دیکھتا رہا جس میں کچھ ایسی ہی خوبیاں ہوں۔ مگر یہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ میں تو رہ ہی ایسے گھر میں رہا ہوں جس کی ایسی خوبیاں تم بیان کر رہے ہو۔ مہربانی کر کے اس اشتہار کو ضائع کر دو، میرا گھر بکاؤ ہی نہیں ہے۔  
ایک بہت پرانی کہات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نعمتیں تمہیں دی ہیں ان کو ایک کانڈ پر لکھنا شروع کر دو، یقیناً اس لکھائی کے بعد تمہاری زندگی اور زیادہ خوش و خرم ہو جائے گی۔  
اصل میں ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا ہی بھلائے بیٹھے ہیں کیوں کہ جو کچھ برکتیں اور نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں ہم ان کو گننا ہی نہیں چاہتے۔  
ہم تو صرف اپنی گئی جتنی چند پریشانیاں یا کمی اور کوتاہیاں دیکھتے ہیں اور برکتوں اور نعمتوں کو بھول جاتے ہیں۔  
کسی نے کہا: ہم شکوہ کرتے ہیں کہ اللہ نے پھولوں کے نیچے کانٹے لگا دیئے ہیں۔ ہونا یوں چلیئے تھا کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اس نے کانٹوں کے اوپر بھی پھول اگا دیئے ہیں۔  
ایک اور نے کہا: میں اپنے ننگے پیروں کو دیکھ کر کڑھتا رہا، پھر ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے تو شکر کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدے میں گر گیا۔  
اب آپ سے سوال

- کتنے ایسے لوگ ہیں جو آپ جیسا گھر، گاڑی، ٹیلیفون، تعلیمی سند، نوکری وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ کی خواہش کرتے ہیں؟
- کتنے ایسے لوگ ہیں جب آپ اپنی گاڑی پر سوار جا رہے ہوتے ہو تو وہ سڑک پر ننگے پاؤں یا پیدل جا رہے ہوتے ہیں؟
- کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے سر پر چھت نہیں ہوتی جب آپ اپنے گھر میں محفوظ آرام سے سو رہے ہوتے ہیں؟
- کتنے ایسے لوگ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہتے تھے اور نا کر سکے اور تمہارے پاس تعلیم کی سند موجود ہے؟
- کتنے بے روزگار شخص ہیں جو فاقہ کشی کرتے ہیں اور آپ کے پاس ملازمت اور منصب موجود ہے؟

اور وغیرہ وغیرہ ہزاروں باتیں لکھی اور کہی جا سکتی ہیں۔۔۔۔۔

کیا خیال ہے ابھی بھی اللہ کی نعمتوں کے اعتراف اور اذکار شکر ادا کرنے کا وقت نہیں آیا کہ ہم کہہ دیں

یا رب لک الحمد کما ینبغی لجلال وجہک وعظیم سلطانتک

اللہم لک الحمد حتی ترضی و لک الحمد إذا رضیت و لک الحمد بعد الرضا

جھریوں یا رنکڑ سے گھر بیٹھے  
نجات

جلد کو جھریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے دو گرام سلاجیت اور عرق گلاب ملا کر پیسٹ بنالیں۔ اور چہرے پر لگائیں۔ سوکھنے پر چہرہ دھو کر صاف کر لیں۔ انڈے کی سفیدی میں ایک چمچہ شہد اور ایک چمچہ زیتون کا تیل ملا کر چہرے پر لگانے سے بھی جلد نائیت اور فریش ہو جاتی ہے اس کے علاوہ کچا دودھ بھی چہرے کے لیے مفید ہے۔

آئی برو اور لیشنز گھنی کریں

جن بھنوں کی آئی برو یا بھنوں اور لیشز یا پلکیں ہلکی ہیں وہ روز رات کو کشر آئل میں زیتون کا تیل ملا کر لگائیں۔ گھنٹی ہو جائیں گیں۔



## آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے یا ڈارک سرکلز

آنکھوں کے گرد اگر سیاہ حلقے ہیں تو ان پر آلو کی قشیر یا کھیرا بھی رکھیں تو کافی سکون ملتا ہے اور تھکاوٹ دور ہوتی ہے آپ آلو کش کر کے اسے گول سانچے میں فریز کر کے بھی آنکھوں پر رکھ سکتی ہیں۔ اسکے علاوہ اگر آپ کو ارجنٹ کسی تقریب میں جانا ہے اور میک اپ ان آئی سرکلز کو چھپانے میں ناکام ہو رہا ہے تو گھبرائیے نہیں بلکہ دواسٹیل کے چھچھے تھوڑی دیر کے لیے فریزر میں رکھ دیں اور نکلنے سے زرا دیر پہلے انھیں آنکھوں پر رکھ کر گولائی کی شکل میں ہلکا سا مساج کریں۔ یہ دب جائیں گے اور میک اپ میں نمایاں بھی نہیں ہوں گے۔

آپ ایک چھپے سونف ایک کپ پانی میں اہل کر اور اس میں  
عرق گلاب ملا کر اسپرے بوتل میں بھر لیں۔ اور اس سے چہرے  
پر دو سے تین دفعہ دن میں اسپرے کریں تو اسکن پر بہت اچھا  
زلٹ آئے گا جلد جتنی صاف رہے گی اتنی ہی لکنتی اور کیل  
مہاسوں سے محفوظ بھی۔

## کیل مہاسوں سے نجات

کیل مہاسوں سے نجات کے لیے چہرے پر نمک، سرکہ اور سفیدے کے پتے گرم پانی میں ڈال کر اسٹیم لیں۔ جبکہ لیکنی کے لیے دو عدد پودینے کے پتے، دو عدد سفیدے کے اور دو عدد نیم کے پتے لے کر پیسٹ بنائیں۔ اور لیکنی کی جگہ اپلائی کریں۔

پینتالیس منٹ کے بعد چہرہ صاف پانی سے دھو لیں۔ یہ نسخہ ہفتے میں دو دن استعمال کرنا ہے نتیجہ آپ کے سامنے ہوگا۔

ایکنی یا اسکن ڈبل ٹون کا حل

جن خواتین کو لیکھنی یا سانولے رنگ کا مسلہ ہو یا اسکن ڈبل ٹون ہو جائے ان کو چیلے کہ وہ ایلورا کا جیل نکال کر سات سے دس قطرے اولیو آئل کے کس کر کے پیسٹ بنالیں۔ اور روز یہ کریبی پیسٹ رات کو لگا کے سونیں۔ پندرہ سے بیس دن میں اسکن باکل صاف ہو جائے گی۔

## جلد کا رنگ

بیتن میں لیموں کے چند قطرے ڈال کر پیسٹ بنائیں۔ اور پھر اس سے سوپ کی جگہ روز منہ دھوئیں۔ اس سے لکٹی میں بھی کمی ہوگی اور جلد ک رنگ بھی خراب نہیں ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ صاف ہو جائے گا۔



جلد کی حفاظت اور گھریلو نسخے  
مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

جلد کی تازگی

دھوپ کی انفرادیت شاعریں جلد کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں۔ خاص طور پر گرمیوں کے طویل موسم میں یہ اکثر خواتین کے لئے پریشان کن ثابت ہوتی ہیں۔ اور جلد کی تازگی ختم کر کے اسے جلد بوڑھا کر دیتی ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ گھر سے باہر ہی نہ نکلیں۔ پر جب بھی نکلیں سن ہلاک ضرور لگائیں۔ یا میک اپ میں ایسی پروڈکٹ استعمال کریں جن میں ایس پی ایف ہو کوشش کریں کہ لمبی آستینوں والے کپڑے پہنیں۔ پشانی کو دوپٹے یا سکارف سے کور کریں۔ چہل قدمی صبح کے وقت کریں تاکہ آپ ان نقصانہ شاعروں سے کسی حد تک محفوظ رہ سکیں۔ اگر آپ اپنی جلد پر عمر کے بڑھتے اثرات سے پریشان ہیں جو ایسٹروجن اور دوسرے مختلف عوامل کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں۔



تو آپ انکی مناسب دیکھ بھال اور حفاظت گھر بیٹھے مختلف دہی نسخوں سے بھی کر سکتیں ہیں۔ ہوسکے تو سبزیوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں۔ ڈیوں کی بند خوراک سے پرہیز کریں۔ جڑی بوٹیوں کا استعمال رکھیں۔ تیز مصالحے اور تلی ہوئی چیزوں کا استعمال کم کریں۔ تازہ جوس کا استعمال کریں۔ سردیوں میں گرین ٹی یا قہوہ چائے کا استعمال لیکن کثرت سے بھی نہیں بہتر ہے۔ پنیر، مچھلی، لسی کے بیج، نمائز، کافی اور زیتون کے تیل کا استعمال بھی جلد پر نمودار ہونے والے اثرات کو کافی حد تک کم کرتا ہے دودھ، انڈہ، دہی، پالک، گاجر پیتے، عرق گلاب، گیندے کے پھول کا عرق کا استعمال بھی جلد کے لیے موثر ثابت ہوسکتا ہے اور ان اثرات کو کافی حد تک کم کر دیتا ہے۔ بلکہ جلد کو نکھارتا اور خوبصورت بھی بناتا ہے۔ پانی کا استعمال ہمیشہ زیادہ رکھیں۔ کم سے کم دن میں سولہ گلاس پانی ضرور پینیں۔ گرمیوں میں آپ تین سے چار خوبانی، چند پتے پودینے، آدھا پانی جگ ٹھنڈا جوس بنا کر پینیں تو اس سے گرمی کی شدت میں کافی کمی آجاتی ہے اور جلد کو توانائی اور تازگی ملتی ہے۔ اسکے علاوہ اگر

کوشش کریں کہ ان پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔ اپنے شیپو اور تیل ہر دو ماہ بعد اپنے بالوں اور جلد کے مطابق تبدیل کریں۔ ہیز فال زیادہ ہو تو شیپو کا استعمال نہ کریں بہت سی جڑی بوٹیاں اسکا نعم البدل بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسے املہ ریٹھا سیکا کائی۔ بال جھڑ کا استعمال کر سکتے ہیں۔ نہار منہ شہد کا استعمال کریں مچھلی کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں۔ اسکے علاوہ آپ تیل میں ہفتے میں ایک دن لگا کر اور لیمن جوس ملا کر بھی بالوں میں ہفتے میں ایک دن لگا کر مساج کریں اور تین سے چار گھنٹوں کے بعد سر کو اچھی طرح دھولیں تو اس سے بھی کافی فرق پڑے گا اگر بال تیزی سے گر رہے ہیں تو رات کو کچھ مینتی کے دانے پانی میں جھگو کر رکھ دیں۔ اور صبح سر میں تین سے چار گھنٹے لگا کر سر کو کور کر دیں۔ پھر سر کو دھو کر جڑوں میں ہلکا سا آئل لگالیں۔ یا نیم گرم پانی میں لیمن ملا کر ہلکا سا مساج کر لیں۔ بال گرنا رک جائیں گے اور چمکدار بھی ہوں گے۔ اگر یہی عمل بکری کے دودھ کے ساتھ دہرایا جائے تو ایک سے ڈیڑھ ماہ میں ہی نتائج سامنے آجائیں گے اور بال پہلے سے اچھا اور گھنا نکلے گا یہ عمل ہفتے میں دو دفعہ لازمی کرنا ہے۔

## بڑھتے ہوئے وزن سے پریشانی

اگر آپ بڑھتے ہوئے وزن سے پریشان ہیں تو اسکا ایک آسان سا حل بھی موجود ہے دو سو پچاس گرام شہد لیں۔ ایک سو اسی ملی لیٹر سفید سرکہ اور دو سو پچاس گرام باریک کٹا لیمن کے ساتھ اچھی طرح مکس کر کے کسی ایئر ٹائٹ بوتل میں بھر کر فریج میں رکھ دیں۔ اور روز نہار منہ ناشتے سے پہلے دو چمچے استعمال کریں۔



§§§

## سوچے ہوئے پاؤں

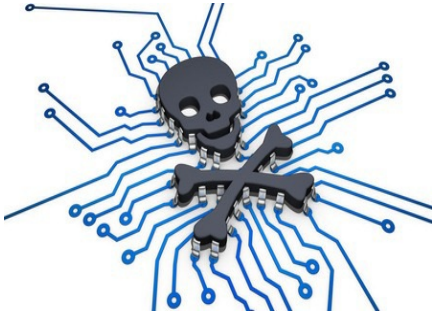
اگر آپ کے پاؤں بیٹھے بیٹھے سوچ جاتے ہیں۔ تو روزانہ رات کو ایک پلاسٹک کے ٹب میں پانی کے اندر ایک چمچہ زیتون کا تیل ملا کر کچھ وقت کے لیے پاؤں پانی میں ڈبو کر رکھیں۔ جلد ہی تکلیف میں آرام ہوگا۔

## پیروں کی صفائی اور خوبصورتی کے لیے

ایک سفید شلجم چمیل کر اہال لین اور پھر کچل کر پانی میں ملا دیں اور شیپو اور تھوڑی ہلدی شامل کر کے کچھ دیر پیروں کو نیم گرم پانی میں ڈبو کر رکھیں۔ اسکے بعد پیڈی کیور کٹ اگر ہو تو ورنہ کسی نرم برش کی مدد سے انگلیوں اور ناخنوں کی اچھی طرح صفائی کریں۔ اور خشک کر لیں یہ عمل روز کریں۔ آپ پانی میں اورک کا پانی بھی ڈال سکتی ہیں۔ اسکے علاوہ دودھ میں ہلدی ملا کر اس سے بھی پاؤں اور ہاتھوں کا مساج کر سکتی ہیں۔

## توانا بال اب آپ بھی بنائیں

بال حسن کی علامت ہیں۔ اگر ان میں گرے جھڑنے یا سفید ہونے یا خشکی کا عمل شروع ہو جائے یا دو شاخہ نیز ایسی کی پروبلمز ہیں جو بالوں کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ تو



1983ء میں ایسے پروگرامز کو وائرس کا نام دیا گیا۔ 1985ء میں وائرس سے ملنے جلتے پروگرام سامنے آئے جس کے نتیجے میں وائرس پروگرام کو ترقی ملی 1986ء میں برین وائرس (Brain Virus) سامنے آیا۔ جو ایک سال کے اندر اندر ساری دنیا میں پھیل گیا۔ 1988ء میں ایک وائرس کا پتہ لگا جس نے پوری یونائیٹڈ اسٹیٹ میں تہلکہ مچا دیا اور اسی طرح 1990ء کی دہائی میں اور اسکے بعد تک وائرسز کی اقسام بہت ہی پیچیدہ ہو گئی۔



## وائرس کا اثر انداز ہونا

وائرس کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ وائرس ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے ہیں اور جب وہ اپنا کام شروع کر دیں تو پھر وہ کسی بھی فلیش ڈسک یا ہارڈ ڈرائیو جو ایک کمپیوٹر سسٹم کا حصہ ہے ان میں منتقل ہو جاتا ہے۔



اور اس طرح سارے نیٹ ورک اور دوسرے کمپیوٹرز میں خرابیاں پیدا کرنے لگ جاتا ہے ایسے وائرس عام طور پر Professional Main Frame Systems کی نسبت Personal Computers میں زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ ان پروگرامز کو سی ڈیز یا فلیش ڈسک کے ذریعے پھیلا یا جاتا ہے۔ جو Personal Computers کمپیوٹر استعمال کرنے والوں کے کام آتی ہے۔ وائرسز صرف اس وقت عمل پیر ہوتے ہیں جب ان کے پروگرام کو استعمال کیا جائے لہذا اگر کوئی کمپیوٹر کسی انفارمیشن ورک سے منسلک ہے ضروری نہیں کہ اس کمپیوٹر خرابی پیدا ہو تاہم ایسے وائرس پروگرام ہیں جو کمپیوٹر یوزر کو لالچ دے کر اپنا پروگرام استعمال کرواتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض ایسے وائرس ہیں جو کسی اچھے پروگرام کے ساتھ اٹچ ہو جاتے ہیں لہذا جب ان پروگرام کو چلایا جاتا ہے تو وائرس بھی ایکٹو ہو جاتے ہیں۔

## وائرس کی تاریخ

1949ء میں ہنگری کا ایک باشندہ جو امریکہ میں قیام پزیر ہو چکا تھا یعنی (John Von Neumann) نے نیوجرسی کی ایک انسٹی ٹیوٹ میں یہ ارادہ کیا کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ کیا کمپیوٹر پروگرام ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں خود بخود منتقل ہو سکتے ہیں یا نہیں لہذا 1950ء کی دہائی میں ایک ایسی کھیل بنائی گئی جس کے نتیجے میں اس کھیل کو کھیلنے والے چھوٹے چھوٹے کمپیوٹر پروگرام بناتے تھے جو اپنے حریف کے سسٹم پر حملہ آور ہوتے تھے اور اسکے پروگرام کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔

## کمپیوٹر وائرس

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

کمپیوٹر وائرس (Computer Virus) ایسا پروگرام ہے جو اپنے آپ کو ایک Computer سے دوسرے کمپیوٹر میں داخل کرتا ہے اور جس میں بھی وہ داخل ہوتا ہے اس کے ہارڈ ویئر یا سوفٹ ویئر میں جھجڑ چھا کر دیتا ہے۔

## وائرس کا کام

وائرس کو اس طریقے سے ڈیزائن کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے وقت یوزر کے علم سے بچ جائیں اور پتہ بھی نہ لگے کہ وائرس داخل ہو چکا ہے۔ جب وائرس کمپیوٹر میں داخل ہو جائے تو وہ کمپیوٹر کو اپنے کنٹرول میں لے لیتا ہے وائرس کی ان ہدایات کو جو کسی سسٹم کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے (Payload) کہا جاتا ہے تاہم (پے لوڈ) کسی بھی فال یا پیغام کو خراب کر دیتا ہے یا پھر اس کو بدل دیتا ہے۔ لہذا کمپیوٹر کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔



اور بھی ایسے پروگرام ہیں جو کمپیوٹر پروگرام کے لئے نقصان دہ ہے لیکن ان میں یکساں طور پر یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں کہ وہ خود بخود ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہو جائیں اور پھر ان کا کھوج بھی نہ لگایا جاسکے۔ لیکن پھر بھی ایسے پروگرامز وائرس سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ کسی کھیل کی صورت میں آسکتے ہیں اور پھر اپنا کام دکھاتے ہیں ان میں سے بعض پروگرامز ایسے ہیں جو اس وقت تک عمل پیر نہیں ہوتے جب تک وہ ایک خاص تاریخ یا وقت کو نہ پالیں۔ اور پھر کسی مخصوص حرف کو یوزر ٹائپ نہ کرے ایسے بھی نقصان دہ پروگرامز سامنے آتے ہیں جو اپنے آپ کو کاپی کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کا حجم کمپیوٹر کی میموری پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس طرح کمپیوٹر کا کام سست ہو جاتا ہے۔

## بھوت

مصنف: علی احمد

کرتے یہ آواز ہمیشہ رہنے والی نہیں، یہ خوبصورت گیت ختم ہو جائیں گے اور گرجا گھر کی دیواریں معصوم پرندے کو بھول جائیں گی۔ گرجا گھر کے مکینوں نے، ایک دن معصوم پرندے کو پنجرے میں قید کر کے گرجا گھر کے باہر فروخت کرنے کے لیے رکھ دیا تاکہ کچھ معاشی فائدہ حاصل کیا جاسکے۔ وہ رات معصوم پرندے پر بہت بھاری تھی، جو اس نے اپنے ٹھکانے سے دور گزاری۔ دوسرے بدصورت پتھر پریشان ہوا کہ پرندہ واپس کیوں نہیں آیا، اس نے سوچا شاید اسے بلی کھا گئی ہے یا پھر کسی نے پتھر مار کے زخمی کر دیا ہے، مہمان پرندے کے بغیر گم شدہ روح کے بدصورت مجسمے کو پہلی تنہائی کا شدید احساس ہوا۔

صبح سویرے جب گرجا گھر کی چڑیوں کا شور اٹھا اور لوگوں کی چہل پہل شروع ہوئی تو اسے معصوم پرندہ بہت یاد آیا، جب کبوتر گرجا گھر کو اونچی دیواروں کے کنکروں پر بیٹھتے اور چڑیاں چہکتیں تو اس کے کانوں میں معصوم پرندے کے گیت گونجنے لگتے۔

گم شدہ روح کا مجسمہ بہت اُداس اور غمزدہ تھا۔ کبوتر کھاتے وقت ہمیشہ اس معصوم پرندے کا ذکر کرتے اور کہتے کہ وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ شدید سردی کے ایک دن اور کبوتر چڑیوں کے ساتھ گرجا گھر کی چھت خوراک کے لیے پریشان بیٹھے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ کوئی اپنا بچا ہوا کھانا چھت پر پھینکے تاکہ ان کی بھوک مٹ سکے، وہ اکثر سردیوں میں اسی طرح گزارہ کرتے تھے، اس دوران میں ایک کبوتر نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ کیا کچرے کے ڈھیر پر کوئی کھانے کی چیز پھینکی گئی ہے، جواب میں کبوتر کو بتایا گیا کہ نہیں، وہاں صرف ایک مردہ پرندے کو پھینکا گیا ہے۔

رات گئے گرجا گھر کی چھت پر کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تو مذہبی رسومات کے انچارج کو اسے نے کہا کہ گرجا گھر کے کنکروں مدقوں سے موسم سرما کی شدت برداشت کر رہے ہیں، بر فباری اور کھرے کے سبب ان کی حالت خراب ہے، شاید کوئی حصہ ٹوٹ گیا ہو۔ اگلی صبح گم شدہ روح کا مجسمہ اپنی جگہ موجود نہ پا کر کبوتروں نے اطمینان کا سانس لیا انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب یہاں کسی اور فرشتے کا مجسمہ نصب کیا جائے گا، گم شدہ روح کے مجسمے کو کسی نے توڑ کر باہر پھینک دیا تھا۔

§§§§

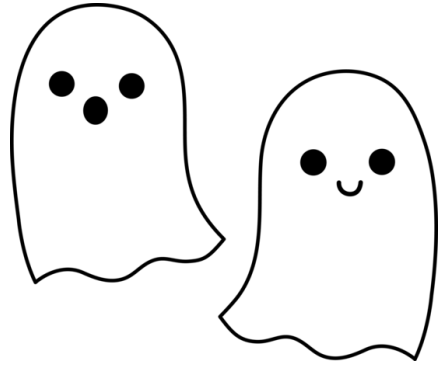
قدیم گرجا گھر کی اونچی اونچی دیواروں پر بہت سے تراشیدہ پتھر رکھے ہوئے، ان میں سے کچھ فرشتوں کے مجسمے تھے، کچھ پادریوں اور بادشاہوں کے اور کچھ پاکیزہ شخصیات کے۔ گرجا گھر کے ایک کونے میں ایک بدرنگ اور بے ڈھنگا پتھر پڑا تھا، جس پر نہ کوئی تاج بنا ہوا تھا، نہ ہی اس کی کوئی شکل و صورت سمجھ آ رہی تھی۔ گرجا گھر میں رہنے والے موٹے نیلے کبوتروں نے سمجھا کہ شاید کوئی بھوت ہے مگر مذہبی رسومات کے انچارج کو اسے نے انہیں بتایا کہ یہ ایک گم شدہ روح ہے۔ سردیوں کا کوئی دن تھا، گرجا گھر کے چھت پر ایک سریلی آواز والے پرندے کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی، جو سخت سردی کے باعث دھوپ تلاش کرتا ہوا گرجا گھر کی باڑ پر آ بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ معصوم پرندہ ایک فرشتے کے مجسمے پر آ بیٹھا، وہ چاہتا تھا کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد یہاں گھونسا بنالے۔



گرجا گھر میں موجود چڑیوں اور کبوتروں نے اسے وہاں رہنے سے روک دیا اور اس قدر شور مچایا کہ اسے وہ جگہ چھوڑنا پڑی۔ معصوم پرندہ وہاں سے اڑ کر، گم شدہ روح کی تصویر والے بدصورت پتھر پر جا بیٹھا اور اسے ہی پناہ گاہ بنالیا۔ گرجا گھر کے کبوتر اس پتھر کو محفوظ جگہ نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ ایک تو وہ گمنام سے کونے میں پڑا تھا دوسرا، اس پر ہر وقت گہرا سایہ موجود رہتا تھا۔ گم شدہ روح کا مجسمہ اگرچہ بدرنگ تھا اور اس کے بازو اس طرح کھلے ہوئے بنے تھے جیسے وہ اپنے دشمن کو لٹا رہا ہو، لیکن اس سے کسی کو کوئی تکلیف نہ تھی، معصوم پرندہ وہیں رہنے لگا۔ وہ روزانہ خاموش مجسمے کے اوپر چڑھ جاتا اور خوابوں میں کھوئے دوسرے مجسموں کو دیکھتا رہتا، معصوم اور کمزور پرندے کے لیے یہ واحد محفوظ پناہ گاہ تھی اور وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا، روزانہ وقفے وقفے سے مجسمے کے اوپر بیٹھتا، کبھی قریبی ستون پر چڑھ جاتا اور مجسمے کی محبت اور پناہ دینے کے لیے شکر یہ کے طور پر گیت گاتا رہتا۔ یہ بدصورت پتھر کے لیے خوشی کے دن تھے کیونکہ اس کا مہمان پرندہ روزانہ وہاں چہکتا، ہر روز سریلی آواز



میں گیت گانا، شام کو گر جا گھر کی گھنٹی بجتی تو چچا ڈر سگئے ہوئے  
آہستگی سے اپنے گھروں سے نکل آتے اور پرندہ گیت گاتا رہتا۔



یہ موسم کی تبدیلی تھی یا طوفانی بارشوں کا اثر یا کوئی وجہ تھی  
کہ بد صورت پتھر کی تختی اور اس کی شکل میں خوشگوار تبدیلی  
آ رہی تھی۔ گر جا گھر کی چھت پر خوبصورت نئے سناتے پرندے  
کی آواز سب کو پسند تھی مگر وہ اس پر افسوس

## غروب آفتاب

## جنید جمشید دلوں میں زندہ رہے گا

مصنف: علی احمد

دنیا میں انسان کا ٹھکانہ عارضی ہے دنیا میں موجود ہر ایک چیز کا وجود عارضی ہے اور وہ فانی ہے  
اور موت اٹل ہے جس کو دنیا کی کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی ہے موت نے ایک نہ ایک ہمیں گلے لگا  
نا ہے اور ہم پھر اس جہاں فانی سے کوچ کر جانا ہے موت کے بعد کوئی لوٹ کر واپس نہیں آتا  
ہے اور جب موت کا وقت آتا ہے تو ایک پل کی مہلت نہیں دیتا اور فرشتہ پل میں روح قبض کر پروز  
کر جاتا ہے اس دنیا میں ہمیں اپنے آنے والے پل کی بھی خبر نہیں لکس پل موت گلے لگا لیتی ہے  
انسان اس عارضی مکاں کو سب کچھ تصور کر لیتا ہے انسان کو بھلا کو نہ سمجھے کہ کسی سواری کا مسافر  
منزل کو لوٹ جاتا ہے ناکہ اس سواری کو اپنی منزل تصور کر لیتا ہے جب انسان اس دنیا کو اپنی راحت  
آسائش سمجھتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ وہ تو چند سانس ادا کر لے کر آیا ہے اور دنیا بنانے  
کی ممتی میں مست ہو کر بہت دور چلا جاتا ہے اسے پیچھے مڑ کر دیکھنا ایسا لگتا ہے کہ اس کی ہر ہادی  
ہے اگر وہ اس دنیا کی بلندی شہرت دولت چھوڑے تو کیسے چھوڑ جس کے لئے اس نے اتنا طویل سفر  
طے کیا ہے اور وہ اپنی واپسی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہے اگر کچھ دیر کے لئے اپنی ذات کا جائزہ  
لیں یا معاشرے میں اپنے ارد گرد نظر دوڑیں تو ایسے افراد سے دنیا بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنی  
منزل تو پالی پر راستے کے چٹاؤ میں غلطی کر بیٹھے پر ایک بڑی فتح اور کامیابی کے بعد احساس ہو کہ  
غلط راستے پر چل کر آئے ہیں تو اس دولت عزت شہرت نے واپسی پر اٹھتے قدموں میں بیڑیاں ڈال  
دیں اور واپسی کی جانب اٹھتے قدموں کو تختے پر مجبور کر دیا پھر جو لوگ ان بیڑیوں کے آگے بے بس  
ہو جاتے ہیں تو وہ ساری حیاتی اس کنوائیں میں غرق رہتے ہیں پر کچھ ایسے بھی باہمت ہوتے ہیں  
جب وہ اس شہرت دولت والی منزل کے قریب ہوتے ہیں یا منزل پا چکے ہوتے ہیں تو ان کے ضمیر  
کو ملنے والی اللہ کی جانب ہدایت کو اس منزل سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہی ہدایت  
ان بیڑیوں کو توڑ کر اس رائے حق پر لے آتی ہے جس سے شاید وہ اب تک غافل تھا۔



جنید جمشید بھی انہی انسانوں میں سے ایک تھے جو اس ہدایت کو منزل کی پہلی سیڑھی سمجھتے ہوئے اس  
خدا و احد لشاریک کی راہ پر میں نکل پڑا جس نے اپنی کئی سالوں کی محنت کے بعد حاصل ہونے والی

کو جب کچھن اکبر خان جندی کے گھر کر اپنی میں پیدا ہوا تو اس وقت کوئی اندازہ بھی نہیں کر  
سکتا ہو گا کہ یہ بچہ ایک دن اتنا عظیم ہو جائے گا کہ اپنے آپ کو رہتی دنیا میں امر کر جائے گا  
جنید جمشید کے والد اتر فورس میں کپٹن تھے تو فوج سے نسبت کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے کو اتر فورس  
میں پائلٹ بنانا چاہتے تھے اس مقصد کے لئے جنید جمشید نے لاہور کی یونیورسٹی آف انجینئرنگ  
اینڈ ٹیکنالوجی سے ٹیکنیکل انجینئرنگ ڈگری حاصل کی اور بعد میں پاکستان اتر فورس میں سولین کمانڈر  
کیئر کے طور پر ملازمت حاصل کی جب 1983 میں پہلی مرتبہ جنید جمشید نے راک سٹار کے طور  
پر یونیورسٹی میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا تو شرکاء نے بہت پسند کیا پھر دوستوں کے ساتھ مل کر  
ایک میوزیکل گروپ بنایا کچھ سالوں کی محنت رنگ لے آئی اور 14 اگست 1987ء کو پاکستان  
کے یوم آزادی کے دن وطن سے محبت کا اظہار ”دل پاکستان جان پاکستان“ جیسے سدا  
بہار ملی نغمے سے کیا وہ ملی نغمہ اتنا مشہور ہوا کہ اس وقت لے کر اب تک عوام میں مقبول ہے جو  
اب بھی دنیا کے بہترین قومی نغموں کی فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے جنید جمشید کا وائٹل سائنس  
گروپ مسلسل کامیابیوں کی وجہ سے چھایا رہا جنید جمشید نے اپنی صلاحیتوں سے پاکستان میں پاپ  
میوزک کو بام عروج بخشا 1994ء میں جنید جمشید نے اپنا پہلا سولو البم نکالا جس نے آتے ہی پاپ  
کستان کے علاوہ پوری دنیا میں دھوم مچا دی یہ جنید جمشید کی زندگی کا عروج تھا۔

پر جنید جمشید اتنی شہرت پانے کے بعد بھی اپنی زندگی سے مطمئن نہ تھے اور ہمیشہ اس چیز کو محسوس  
کرتے تھے کہ ان کی زندگی میں کسی چیز کی کمی ہے انہوں نے کچھ سال قبل ایک ٹی وی پروگرام  
میں بتایا تھا جب وہ گلوکاری کے فن میں عروج پر تھے وہ گھٹن محسوس کرتے تھے اور اپنی زندگی کو  
کسی کی وجہ سے ادا سمجھتے تھے شاید یہ گھٹن یہ غیر مطمئن ہونے کی کیفیت اور تڑپ وہ بد  
ایت تھی جو ان کے دل میں کسی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہلکی سی روشنی محسوس کی جاتی ہے  
ایسی ہلکی اور دھیمی روشنی جو ایک اندھیرے کے اختتام اور روشنی کی ابتداء کے درمیان ہوتی ہے جس  
کو دیکھا تو نہیں جانا سکتا پر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ اب اندھیرا اپنے انجام کو پہنچ رہا ہے جنید جمشید  
نے اس ہدایت کی اس دھیمی روشنی کو اپنی شہرت اور بلندی کے اندھیرے میں ڈوبنے نہیں دیا بلکہ اس  
روشنی کی کھوج لگانا شروع کر دی آخر اس ہلکی اور دھیمی روشنی کی آمد کدھر سے ہے پر اس بات کا  
اندازہ جنید جمشید کو بھی نہ ہو گا کہ اس ہلکی مدھم روشنی جس کے پیچھے وہ چل پڑا ہے اس کو ایک  
دن ایسے روشن دن میں لے آئے گی جس سے اس کی دنیا اور آخر سنور جائے گی۔

مولانا طارق جمیل سے ہونے والی اتفاقیہ ملاقات نے جنید جمشید کی دنیا بدل دی پھر وہ اچانک مو  
سمیتی کی دنیا کو خیر باد کہے کر خیر کے راستے چل پڑے اور گھر کے قریب واقع مسجد کے دروازے پر  
دستک دینے کے بعد اس نے جو لذت خدا کی راہ میں نکل کر پائی جس کی کمی وہ ہمیشہ محسوس کرتا  
تھا 2004ء کے بعد جنید جمشید تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو گئے اچانک اپنا پیشہ جس کی بنیاد پر ان کو  
عزت شہرت ملی تھی چھوڑ کر پریشانی تو ہوئی اپنے پرانے کی طرف سے تنقید کے نشتر بھی چلائے  
گئے لیکن خدا کا بند سجدے کی لذت کو پا چکا تھا جس تنقید کے نشترے اثر ثابت ہو رہے تھے پر  
جنید جمشید نے ہمت نہ ہاری اور اس لگن میں جے جے کے نام سے اپنا کاروبار شروع کیا جس کو

جاری وساری رکھا جو دنیا میں فیشن برانڈ بن گیا جس کے آؤٹ لٹ پورے پاکستان میں تھے جنید  
جمشید مسلسل تبلیغ کی راہ میں چلتے رہے کیونکہ ماضی میں جس غفلت کی اذیت سے وہ گزر رہا ہے وہ  
ہی اس کو اچھے طریقے سے محسوس کر سکتا ہے اس احساس کو لے کر وہ تبلیغ کی راہ پر نکل پڑتا تھا  
اور اپنے مسلمان بھائیوں کی خدا کی راہ پر لانے کی جستجو کرتا رہا جنید جمشید میں خلق خدا سے محبت



منزل کو ہل میں ٹھکرا کر اس حقیقی سفر میں راحت سفر باندھا جس پر چلنے کے لئے اللہ پاک اپنے پیاروں کو نوازتا ہے اس بات سے ہم انکار نہیں سکتے کہ جنید جشید نے زندگی میں جو بھی کام کیا وہ انتہا تک کیا اور خوب محنت اور لگن سے کیا جس میں وہ پختہ ارادے سے ڈٹ کر اس کام کو سرانجام دیتے تھے اس نے موسیقی کے فن کا آغاز ہی دل سے کیا جس میں اس کے سر سے نکلا پہلا لفظ ہی دل پاکستان تھا جو ایک سچا حب الوطن ہی کر سکتا ہے جنید جشید 1964

## غروب آفتاب

جنید جشید تمام طبقات میں مقبول تھے جس کی وجہ سے ان کا اپنی علماء کے علاوہ لوگوں کھلاڑیوں کی وی انکروں صحافیوں سیاست دانوں سب میں میل جول بہت اچھا تھا جس طرف بھی جاتے سب میں گھول مل جاتے مذہبی اور لبرل طبقے میں ایک ہل کا کردار ادا کرتے تھے جس سے وہ درس تبلیغ اس لبرل طبقے تک لے جاتے تھے جب 7 دسمبر کو ان کی اچانک فضائی حادثے سب موت پر ہر آنکھ اٹک بار تھی ہر دل غم زدہ تھا ہر چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی جس دن جنید جشید کی نماز جنازہ ہوا کی گئی اور وہ تدفین کی گئی تو اس دن جنید جشید کے جنازے کو دیکھ کر رشک آ رہا تھا اور ہر مسلمان کے دل میں ایسی ہی خواہش پیدا ہو رہی ہو گی یا اللہ ایسی دھوم دھام سے اس دنیا سے رخصتی تو اپنے پیارے بندوں کو عطاء کرتا ہے ہمیں بھی اپنے ان پیارے بندوں میں شامل فرما۔

پر بند پیرا تب بنتا ہے جب وہ اللہ کی راہ میں نکل پڑتا ہے پھر اس راہ میں دولت شہرت سب کو اس راہ میں ٹھکرا کر آگے بڑھتا جاتا ہے اور وہ بندہ خدا پھر انسانیت سے پیار بھی کرتا اور غم خواروں کا غم بانٹتا ہے تب جا کر کہیں اس کو ایسی ہی دنیا سے رخصتی نصیب ہوتی ہے پھر مرنے کے بعد بھی وہ انسان دلوں میں زندہ رہتا ہے جسے آج جنید جشید دلوں میں زندہ ہے

§§§

## فن کی دنیا میں وحید مراد کا

### نام ہمیشہ زندہ رہے گا

مصنف: سفیان خان

پاکستان کے مقبول ترین فلمی ہیرو، لولی ووڈ کے پہلے سپر اسٹار عظیم اداکار وحید مراد (مرحوم) کا نام فلمی دنیا سے دلچسپی رکھنے والے کسی بھی فرد کے لیے تعارف کا محتاج نہیں ہے، لولی ووڈ فلم انڈسٹری کی تاریخ وحید مراد کے تذکرے کے بغیر ادھوری ہی سمجھی جائے گی۔ وحید مراد کے فن و شخصیت پر ان کی زندگی میں بھی بہت کچھ لکھا گیا اور مرنے کے بعد بھی ان کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا اور شائع کیا گیا کہ کم از کم پاکستان میں ایسی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ بعد از مرگ مقبولیت کا جو منفرد ریکارڈ وحید مراد نے قائم کیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اچھا اور سچا فنکار کبھی نہیں مرتا، اس کا کام اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھتا ہے۔

وحید مراد سے جو محبت و عقیدت ان کے مداحوں کو تھی اور ہے اس کی نظیر دو رحاضر میں ملنا ناممکن ہے۔ وحید مراد کے مداحوں نے وحید مراد سے اپنی بے لوث اور بچی محبت کی جو روشن مثال قائم کی ہے اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور یہ حقیقت ہے کہ وحید مراد کے نام کو ان کے شاندار کام، منفرد اسٹائل اور ان کے مداحوں کی چاہت نے زندہ رکھا ہے ورنہ پاکستان کی فلم انڈسٹری میں کتنے ہی بڑے فنکار آئے اور کامیاب بھی ہوئے لیکن وہ شہرت کی اس معراج کو نہیں چھو سکے جو وحید مراد کو ملی۔



سنوٹش کمار، درپن، سلطان راہی، محمد علی، اقبال حسن، منور ظریف، اسلم پرویز، رنگیلا، نضال علی اعجاز جیسے کتنے ہی فنکاروں نے مقبولیت اور کامیابی حاصل کی لیکن انہیں انتقال کر

جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد بھلا دیا گیا جبکہ وحید مراد کا انتقال 23 نومبر 1983 کو ہوا تھا اور اب جبکہ ملک بھر میں 23 نومبر کو ان کی 33 ویں برسی منائی جا رہی ہے لیکن اس طویل عرصہ میں وحید مراد ہی وہ واحد پاکستانی اداکار ہیں جن کے مداح ان کی برسی کا دن ہر سال مناتے ہیں اور اس موقع پر ان کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کر کے ایٹل ثواب کے لیے دعا کی جاتی ہے۔

پاکستان کے مایہ ناز اداکار وحید مراد (مرحوم) کے انتقال کو 33 سال ہو چکے ہیں لیکن انہیں آج بھی اس طرح یاد کیا جاتا ہے کہ جیسے وہ زندہ ہوں، ان کی شہرت اور مقبولیت میں وقت گزرنے کے ساتھ کمی نہیں آئی بلکہ بعد از مرگ جو مقبولیت اور چاہت وحید مراد کو ملی، شاید ہی ایسی مقبولیت کسی اور فنکار کو نصیب ہوئی ہو کم از کم لولی ووڈ کا کوئی بھی فنکار اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ وحید مراد سے زیادہ مقبول ہے، وحید مراد کو نہ صرف پاکستان کا پہلا سپر اسٹار ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ وہ تقریباً تمام پاکستانی فنکاروں کے بھی پسندیدہ فنکار ہیں۔ وحید مراد، 2 اکتوبر 1938 بروز بدھ کراچی میں نامور فلمساز اور اے ”فلم آرٹس“ کے ”روح رواں“ فلم پروڈیوسر اور ڈسٹری بیوٹر ثار مراد کے گھر پیدا ہوئے، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے اس لیے بچپن سے ہی بہت لاڈلے تھے۔ ان کے گھرانے کا شمار پاکستان کے بہت امیر اور باعزت خاندانوں میں ہوتا تھا ان کی والدہ شیریں مراد اور والد ثار مراد دونوں ہی وحید مراد سے بہت زیادہ پیار کیا کرتے تھے۔ وحید مراد نے ابتدائی تعلیم کراچی میں صدر کے علاقے میں واقع مشہور اسکول ”میری کلاس“ میں حاصل کی اور انہیں سے انہوں نے 1952 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کے بعد انہوں نے ایس ایم سائنس کالج سے بی اے کیا اور پھر 1968 میں جامعہ کراچی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

وحید مراد کی شادی ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی سلمیٰ بیگم سے 17 ستمبر 1964 بروز جمعرات وحید مراد کی طلاق روڈ کراچی میں واقع کوٹھی پر ہوئی اس تقریب کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس شادی میں اداکار ندیم نے گانے سنائے، واضح رہے کہ اس زمانے میں ندیم اداکار نہیں بنے تھے بلکہ ایک گلوکار کے طور پر شوقیہ گانے گایا کرتے تھے۔ وحید مراد کے دو بچے ہیں ایک بیٹی عالیہ مراد جو 23 دسمبر 1969 کو پیدا ہوئی اور ایک بیٹا عادل مراد جو 13 نومبر 1976 کو پیدا ہوا۔ وحید مراد کی بیٹی عالیہ مراد کی شادی 12 فروری 1987 کو جناب سید سجاد حسین شاہ کے ساتھ بھڑوختی انجام پائی۔ وحید مراد 1969 تک کراچی میں مقیم رہے لیکن جب پوری فلم انڈسٹری نے لاہور کو اپنا مرکز بنا لیا تو وحید مراد بھی اپنی فیملی کے ہمراہ لاہور شفٹ ہو گئے لیکن انہوں نے کراچی میں بھی دو فلیٹ ”مسکو اپونیو“ نزد کراچی پریس کلب خرید رکھے تھے جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے

آخری دن گزارے۔

وحید مراد نے اپنے فلمی کیریئر میں کل 126 فلموں میں کام کیا جن میں زیادہ تر فلمیں اردو تھیں ان کے کریڈٹ پر پلانٹیم جوبلی، گولڈن جوبلی اور سلور جوبلی کی بے شمار فلمیں ہیں لیکن انہیں پنجابی فلموں میں بھی کافی پسند کیا گیا انہوں نے 9 پنجابی فلموں میں کام کیا اور ایک پنجابی فلم ”مستانہ ماہی“، خود بھی پروڈیوس کی انہوں نے صرف ایک پشتو فلم ”چشتون پہ ولایت کتہ“ میں کام کیا جو درحقیقت وحید مراد اور آصف خان کی کامیاب اردو فلم ”کالا دھندلا گورے لوگ“ کا پشتو ورژن تھی۔ ان کی ایک فلم ”شبانہ“ نے ڈائمنڈ جوبلی منائی۔

وحید مراد کی ذاتی فلم ”دھیرو“ تکمیل کے آخری مراحل میں تھی کہ فلم ہیرو کا ہیرو اس دنیا سے چل بسا۔ وحید مراد کی بطور اداکار پہلی فلم ”اولاد“ 1962 میں ریلیز ہوئی جبکہ ان کی زندگی میں ریلیز ہونے والی آخری فلم ”ہانگ میری بھر دو“ تھی جو 1983 میں ہی ریلیز ہوئی جبکہ دو فلمیں ”دھیرو“، ان کے انتقال کے بعد ریلیز کی گئیں۔ فلم ”ہیرو“ 11 جنوری 1985 کو ریلیز ہوئی جبکہ ان کی دو فلمیں مکمل ہونے کے باوجود آج تک ریلیز نہ ہو سکیں جن میں فلم ”ہم بھی توڑے ہیں راہوں میں“ اور فلم ”میرے جیون ساتھی“ شامل ہیں۔ وحید مراد نے اپنی 23 سالہ فلمی زندگی میں عمدہ کردار نگاری پر 32 ایوارڈ حاصل کیے جن میں 4 نگار ایوارڈ بھی شامل ہیں۔

وحید مراد کی بطور اداکار پہلی فلم ”اولاد“ 1962 میں ریلیز ہوئی جبکہ ان کی زندگی میں ریلیز ہونے والی آخری فلم ”ہانگ میری بھر دو“ تھی جو 1983 میں ہی ریلیز ہوئی جبکہ دو فلمیں ”دھیرو“ اور فلم ”زلزلہ“، ان کے انتقال کے بعد ریلیز کی گئیں۔ فلم ”ہیرو“ 11 جنوری 1985 کو ریلیز ہوئی جبکہ فلم ”زلزلہ“ 3 مارچ 1987 کو ریلیز ہوئی جبکہ ان کی دو فلمیں مکمل ہونے کے باوجود آج تک ریلیز نہ ہو سکیں جن میں فلم ”ہم بھی توڑے ہیں راہوں میں“ اور فلم ”میرے جیون ساتھی“ شامل ہیں۔ وحید مراد کی بطور اداکار پہلی فلم ”اولاد“ تھی اور بطور ہیرو پہلی فلم ”دھیرو“ اور پھر ”تھی جبکہ ان کی آخری ریلیز شدہ فلم ”زلزلہ“ تھی جو ان کے انتقال کے کئی سال بعد ریلیز ہوئی۔ انہوں نے اپنے انتقال سے قبل جن فلموں کی شوٹنگ میں حصہ لیا ان میں ان کی ذاتی فلم ”دھیرو“ کے علاوہ بھی کئی فلمیں شامل تھیں لیکن ان تمام زیر تکمیل فلموں میں سے صرف فلم ”دھیرو“ ہی ریلیز ہو سکی اس فلم میں وحید مراد کی کئی زیر تکمیل ادھوری فلموں کے سین بھی ڈالے گئے کیونکہ جس وقت وحید مراد کا انتقال ہوا فلم ”دھیرو“ کی فلم بندی مکمل نہیں ہوئی تھی اور ایک گاڑ اور کچھ سین باقی تھے جن کو فلما نے کا موقع وحید مراد کو نہ مل سکا۔ فلم ”ہیرو“ بھی وحید مراد کے انتقال کے کئی سال بعد ریلیز ہوئی اس فلم کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس فلم میں

## غروب آفتاب

وحید مراد کے بیٹے عادل مراد بھی چائیلڈ اسٹار کے طور پر ایک مختصر کردار ادا کر کے اداکاروں کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ وحید مراد کی بطور فلمساز اور اداکار نمایاں فنی کارکردگی، منفرد اسٹائل، سونگ پیکر انیزیشن اور بے مثال مقبولیت کی وجہ سے ان کو بہت پہلے ہی پرائیڈ آف پرفارمنس مل جانا چاہیے تھا لیکن ان کے انتقال کو ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد سابق صدر پاکستان آصف علی زرداری نے 2010 میں وحید مراد کو بعد از مرگ ”تمغہ امتیاز“ کا اعزاز عطا فرما کر وحید مراد کے لاکھوں مداحوں کا دیرینہ مطالبہ پورا کر کے ان کے دل جیت لیے۔ یہ ایوارڈ ایک بڑا وقار تقریب میں وحید مراد مرحوم کی بیوہ سلمیٰ مراد نے اس وقت کے صدر پاکستان سے وصول کیا۔ واضح رہے کہ صدر پاکستان کی کرسی پر فائز رہنے والے آصف علی زرداری ماضی میں ایک فلم ”ساگرہ“ میں وحید مراد کے بچپن کا کردار بھی ادا کر چکے ہیں۔

پاکستان کے پہلے سپر اسٹار وحید مراد کا شمار فلم انڈسٹری کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے اداکاروں میں ہوتا تھا، انہوں نے پاکستانی فلموں میں اپنے کیریئر کا آغاز ایک فلمساز کے طور پر 1960 میں کیا اور بطور فلمساز 12 فلمیں پروڈیوس کیں جن میں سے 4 فلموں کی کہانیاں بھی انہوں نے خود تحریر کیں جبکہ اپنی ذاتی فلم ”اشکارہ“ کی ہدایتکاری بھی کی اور اسی فلم میں ایک گانا بھی بطور گلوکار انہوں نے گایا، بطور فلمساز ان کی پہلی فلم ”انسان بدلتا ہے“ تھی جس کے بعد انہوں نے فلم پروڈیوسر کی حیثیت سے اپنی دوسری فلم ”جب سے دیکھا ہے تمہیں“ بنائی اس کے علاوہ وحید مراد نے بطور فلمساز ایک پنجابی فلم ”مستانہ مانی“ بھی پروڈیوس کی جس کے ہیرو بھی یہ خود ہی تھے۔

گنڈاسہ کلچر پر مبنی فلموں کے دور میں انہوں نے ایک صاف ستھری رومانی پنجابی فلم ”مستانہ مانی“ بنا کر فلموں کا ٹریڈ بدلا ان کی پہلی ہی پنجابی فلم نے سپر ہٹ کامیابی حاصل کر کے ان کو اردو فلموں کے ساتھ ساتھ پنجابی فلموں کا بھی کامیاب اداکار بنا دیا جس کے بعد ان کو متعدد پنجابی فلموں میں کاسٹ کیا گیا۔ فلمساز کی حیثیت سے اپنی بنائی ہوئی ابتدائی دونوں فلموں ”فلم جب سے دیکھا ہے تمہیں اور فلم انسان بدلتا ہے“ میں یہ خود ہیرو نہیں آئے بلکہ انہوں نے اپنی ان دونوں فلموں میں اداکار درپن کو ہیرو لیا تھا، وہ صرف ان فلموں کے پروڈیوسر تھے لیکن بطور فلمساز ان دونوں فلموں کی تکمیل کے دوران انہیں اداکار درپن نے بہت زیادہ پریشان کیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے فلمساز کی حیثیت سے جب اپنی تیسری فلم ”ہیرا اور پتھر“ شروع کی تو اس فلم کے لیے انہوں نے کسی دوسرے ہیرو کو کاسٹ کرنے کے لیے سوچنا شروع کیا اسی دوران ان کے قریبی دوستوں نے ان کو مشورہ دیا کہ چونکہ وہ خود بھی اسٹارٹ اور خوبصورت ہیں لہذا وہ اس فلم میں خود ہی ہیرو کا کردار ادا کریں۔

یہ بات وحید مراد کے دل کو بھائی اور بطور فلمساز انہوں نے اپنی تیسری فلم ”ہیرا اور پتھر“ میں ہیرو کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور اس فلم میں نہ صرف وہ خود ہیرو آئے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس فلم کے ذریعے فلمی دنیا میں متعارف کروایا جن میں ہدایتکار پرویز ملک، موسیقار سہیل رانا، نغمہ نگار مسرور انور، تدوین کار ایم عقیل خان اور کئی نئے فنکار شامل تھے، فلم ”ہیرا اور پتھر“ کی شاندار کامیابی نے نہ صرف وحید مراد کو فلمی ہیرو بنا ڈالا بلکہ فلم انڈسٹری کو کئی ایسے نامور فنکار دیے جنہوں نے آگے جا کر بڑا نام اور مقام پیدا کیا۔

1961 میں وحید مراد کو ہدایتکاری ایس ایم یوسف نے اپنی فلم ”اولاد“ میں ایک اہم رول میں پہلی بار کاسٹ کیا اور یوں بطور اداکار وحید مراد کی پہلی فلم ”اولاد“ اگست 1962 میں ریلیز ہوئی اور 50 ہفتے چل کر گولڈن جوبلی کرنے کا اعزاز حاصل کیا لیکن وحید مراد کو اصل شہرت اور کامیابی اپنی ذاتی فلم ”ہیرا اور پتھر“ سے ملی جس میں انہوں نے پہلی بار بطور ہیرو کام کیا اور بہت پسند کیے گئے، یہ فلم 4 دسمبر 1964 میں ریلیز ہو کر شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس فلم میں وحید مراد کی ہیروئن اداکارہ زیبا تھیں، اس فلم کی کامیابی سے لولی ووڈ کو ایک ایسا اسٹارٹش رومانی ہیرو مل گیا جس نے آگے چل کر پاکستان فلم انڈسٹری کا نام دنیا بھر میں مشہور کیا۔ وحید مراد کو پاکستان کی پہلی پلانٹیم جوبلی فلم ”ارمان“ کا مصنف، فلمساز اور ہیرو ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے یہ فلم 1965 میں ریلیز ہوئی اس فلم میں بھی وحید مراد کی ہیروئن اداکارہ زیبا تھیں۔

فلم ہیرا اور پتھر کے بعد فلم ارمان کی فقیہ المثل کامیابی سے وحید مراد اور زیبا کی فلمی جوڑی راتوں رات سپر ہٹ ہو گئی اور ان دونوں کا نام ہی فلموں کی کامیابی کی ضمانت بن گیا اور ان دونوں کو متعدد فلموں میں ایک ساتھ کاسٹ کیا گیا جن میں سے تقریباً تمام ہی فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں جبکہ انہوں نے متعدد فلموں میں اداکارہ روزینہ، اداکارہ دیبا اور اداکارہ نشو کے ہمراہ ہیرو کا کردار ادا کر کے کامیابی بھی حاصل کی لیکن وہ چاہتے تھے کہ کسی ایسی اداکارہ کے ساتھ اپنی جوڑی بنائیں جو زیبا کا نعم البدل ثابت ہو سکے چنانچہ انہوں نے بنگلہ دیش (ساتھ مشرقی پاکستان) کی فلموں میں کام کرنے والی ایک اداکارہ شبنم کو مغربی پاکستان بلا کر اپنی ذاتی فلم ”سمندر“ میں اپنے ساتھ بطور ہیروئن کاسٹ کیا اور ان کا یہ تجربہ بہت کامیاب ثابت ہوا فلم سمندر نے بھی سپر ہٹ کامیابی حاصل کی اور یوں ان کی جوڑی اداکارہ شبنم کے ساتھ بھی ہٹ ہو گئی جس کے نتیجے میں ان دونوں کی متعدد فلموں نے سپر ہٹ کامیابی حاصل کی جن میں خاص طور پر فلم عندلیب، ہندگی، نصیب اپنا پتلا اور لاڈلا جیسی فلمیں شامل ہیں جن کو آج بھی شوق سے دیکھا جاتا ہے۔

بہت سے لوگوں کو وحید مراد نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا، شبنم کو مغربی پاکستان میں وحید مراد نے ہی انٹروڈیوس

کروایا، پرویز ملک، سہیل رعنا اور مسرور انور کو فلمی دنیا میں متعارف کروانے اور بام عروج پر پہنچانے والا وحید مراد اپنے ہی دوستوں کی بے رخی اور احسان فراموشی کا شکار ہوا تو وہ یہ غم برداشت نہ کر سکا اور چونکہ وہ ایک حساس دل رکھتا تھا اس لیے وہ بہت زیادہ دلبرداشتہ ہو گیا جس کا اثر ان کی صحت پر بھی پڑا اور اسی دوران وحید مراد کے والد ثار مراد کا بھی انتقال ہو گیا، وحید مراد اپنے والد سے بہت پیار کرتے تھے وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر پائے اور شدید ڈپریشن کا شکار ہو گئے جس کی وجہ سے وہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے اور آخری دنوں میں اسی ڈپریشن کی وجہ سے ان کے کئی ایکسیڈنٹ بھی ہوئے جن میں ان کے چہرے پر بھی زخم آئے جن کے علاج اور سرجری کے لیے وہ کراچی آئے ہوئے تھے جہاں ان کے ساتھ صرف ان کا بیٹا عادل مراد موجود تھا جس کی عمر اس وقت صرف 13 سال تھی۔ وحید مراد کی وائف سلمیٰ مراد اور ان کی بیٹی عالیہ مراد ان دنوں ہسٹن امریکہ میں مقیم تھیں۔

اپنے انتقال سے چند روز قبل وہ کراچی میں پریس کلب کے قریب ”سدکو ایونیو“ میں واقع اپنے ذاتی فلیٹ سے اپنی منہ بولی بہن بیگم ممتاز ایوب کے گھر منتقل ہوئے تھے، انہوں نے انتقال سے 10 دن قبل اپنے بیٹے عادل مراد کی ساگرہ بھی بنائی تھی جس کے بعد وہ اپنے چہرے پر لگے ہوئے زخموں کی پلاسٹک سرجری کے لیے سرجن سے ٹائم لے چکے تھے کہ 23 نومبر 1983 کو وہ کراچی میں اپنی منہ بولی بہن بیگم ممتاز ایوب کی رہائش گاہ پر چاچا نک انتقال کر گئے اور ان کی وفات کے ساتھ ہی فلمی دنیا کے ایک سنہری دور کا خاتمہ ہو گیا، ان کے انتقال سے دو ہفتے قبل کراچی میں راقم الحروف نے ان سے ”سدکو ایونیو“ نزد کراچی پریس کلب میں واقع ان کے فلیٹ میں ان سے ملاقات کی تھی جس کے دوران ان کا پرانا ملازم سکندر بھی موجود تھا اس یادگار ملاقات میں وحید مراد صاحب کو میں نے اپنے مضامین اور ان کی تصاویر پر مشتمل ایک البم بھی پیش کی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے لیکن مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ وہ وحید مراد جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ بے قرار رہتے تھے اور جس کی خوبصورتی اور اسٹارٹس کے چرچے گھر گھر ہوا کرتے تھے اس ملاقات میں وہ کسی شاندار عمارت کا کھنڈر دکھائی دے رہا تھا، ڈپریشن اور مایوسی نے وحید مراد کی خود اعتمادی اور قابل رشک جوانی کو دیمک کی طرح کھا لیا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی مایوسی اور ڈپریشن لاکھوں فلم بینوں کے پسندیدہ فنکار وحید مراد کی موت کی وجہ بنا۔

وحید مراد پاکستانی فلموں کے پہلے ڈانگ ہیرو اور پہلے سپر اسٹار تھے ان کے ہیئر اسٹائل، چال ڈھال، لباس، لب و لہجہ، اداکاری اور خاص طر پر گانوں کی فلم بندی کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے ان کے اسٹائل کو نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت میں بھی عام لوگوں اور فلمی دنیا کے



## غروب آفتاب

وی ڈرامے ناظرین میں مقبولیت حاصل کر رہے ہیں، پروڈکشن اور ڈائریکشن کے ساتھ بعض ٹیلی فلموں اور ڈراموں میں عادل مراد نے عمدہ اداکاری کر کے اپنے مداحوں کا ایک حلقہ بنالیا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کے مقبول ترین فلمی ہیرو وحید مراد کا شروع کیا ہوا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے کہ عادل مراد کی شکل میں ایک باصلاحیت پروڈیوسر، ہدایتکار، ہوسٹ، اور اداکار لوی ووڈ فلم انڈسٹری اور ٹی وی چینلز پر اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر کامیابی کے سفر پر گامزن ہے۔

وحید مراد کا شاندار کام ان کے نام کو فن کی دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا کہ وحید مراد جیسے منفرد اسٹاکش اور باصلاحیت اداکار صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں تک یاد رکھے جاتے ہیں جب تک فن، فنکار اور فنکاروں کے قدردان موجود ہیں وحید مراد کا نام فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ان جیسا فنکار نہ ان کے زمانے میں کوئی تھا نہ آج ہے اور نہ ہی آنے والے کل میں پیدا ہوگا جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کے انتقال کر جانے کے 33 برس بعد بھی کوئی دوسرا پاکستانی فنکار ان جیسی بے مثال اور ریکارڈ ساز مقبولیت حاصل نہیں کر سکا، بہت سے فنکاروں نے وحید مراد کے اسٹائل کو کاپی کیا لیکن کوئی بھی وحید مراد کی جگہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکا کہ بعض لوگوں کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ وحید مراد مرحوم کی مغفرت فرماتے ہوئے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر متعارف کروایا گیا، اداکارہ نیلم کو فلم ”بندھن“ میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر منظر عام پر لایا گیا غرض یہ کہ اس طرح کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ جب بھی کسی اداکارہ کو لوی ووڈ میں پہلی بار چانس دیا گیا تو اس کے مد مقابل ہیرو کے کردار کے لیے ہمیشہ وحید مراد کو ہی چنا گیا۔ وحید مراد نے تمام فلموں میں بطور ہیرو ہی کام کیا لیکن صرف ایک فلم ”دیشے کا گھر“ میں انہوں نے اداکار شاہد کے مد مقابل ”ولن“ کا کردار ادا کیا۔ وحید مراد کے آخری دور کی فلم ”آہٹ“ وہ واحد فلم ہے جس میں وحید مراد پر کوئی گانا پکرا کر نہیں کیا گیا جبکہ ان کی آخری فلم ”ہیرو“ وہ واحد فلم ہے جس میں وحید مراد نے اپنے ایک کردار کو نبھانے کے لیے اپنے مشہور زمانہ ہیئر اسٹائل کو تبدیل کر کے بال ماتھے سے اوپر کر کے بنائے۔



وحید مراد کو ان کے خاندان میں پیار سے سب ”ویدو“ کہہ کر بلاتے تھے۔ وحید مراد چٹ پٹے مصالحہ دار کھانے بہت شوق سے کھاتے تھے خاص طور پر جھینگ، مچھلی اور نہاری ان کے پسندیدہ کھانے تھے جبکہ لہسن کی چٹنی ان کے دسترخوان کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھی۔ وحید مراد بہت صاف گو اور نفیس انسان تھے جو ان سے ایک بار مل لیتا وہ ان کا گرویدہ ہو جایا کرتا تھا۔ وحید مراد کی بیٹی عالیہ مراد اور بیٹا عادل مراد دونوں ہی نے شوہر کی دنیا میں قدم رکھا لیکن عالیہ مراد لیڈیز کپڑے بنانے والی ایک کمپنی کے اشتہار میں اداکارہ ایتنا ایوب کے ہمراہ ماڈلنگ کرنے کے کچھ ہی عرصہ بعد شادی کر کے شوہر کی دنیا سے دور چلی گئیں جبکہ عادل مراد نے شوہر کی فیلڈ میں خاصی کامیابی حاصل کی اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے آپ کو منویا، وہ مقامی ٹی وی چینل کے ایک مقبول پروگرام ”سچ کا سامنا“ کے ہوسٹ بھی بنے اور ان کے اس پروگرام نے پسندیدگی کی سند حاصل کی۔ کل کا چائلڈ اسٹار عادل مراد آج ایک کامیاب اداکار اور پروڈیوسر بن چکا ہے جس کی بنائی ہوئی ٹیلی فلمیں اور ٹی

نامور سپر اسٹارز نے کاپی کیا۔ وحید مراد پاکستان کے وہ واحد فنکار تھے جن کے مداحوں نے سب سے پہلے ان سے منسوب ایک فین کلب ”آل پاکستان وحیدی کلب“ قائم کیا کسی بھی فنکار کے مداحوں کی جانب سے بنایا گیا۔

یہ پاکستان کا پہلا فین کلب تھا اس سے قبل پاکستان میں ایسی کوئی روایت نہیں تھی، آل پاکستان وحیدی کلب کے علاوہ ان کے مداحوں نے آل پاکستان پرنس وحیدی کلب اور آل پاکستان وحید مراد آرٹ سرکل جیسی فعال ثقافتی تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے وحید مراد کے نام اور کام کو زندہ رکھنے کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ وحید مراد وہ پہلے پاکستانی اداکار تھے جن کے نام پر سب سے پہلے کسی روڈ کا نام رکھا گیا، کراچی میں سابقہ مارسٹن روڈ کا نام بدل کر باقاعدہ سرکاری طور پر ”وحید مراد روڈ“ رکھا گیا۔ وحید مراد وہ واحد پاکستانی اداکار ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کی تقریباً تمام ہیروئنز کے ساتھ کام کیا بلکہ وحید مراد کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کے ساتھ فلموں میں ہیروئن آنے والی اداکارہ شمیم آراء، نغمہ اور بہار نے بعد میں کئی فلموں میں وحید مراد کی ماں کا کردار بھی ادا کیا۔

اداکارہ شمیم آراء نے فلم ”وقت“ اور فلم ”جیواور جینے دو“ میں اور اداکارہ نغمہ نے فلم ”آواز“ میں وحید مراد کی ماں کے کردار ادا کیے۔ وحید مراد پاکستان کا وہ واحد فلمی ہیرو تھا جس نے کبھی تنگ ٹو اولڈ کردار ادا نہیں کیا وہ کسی فلم میں کسی کا باپ نہیں بنا وہ فلموں میں ہیرو بن کر آیا تھا اور ایک ہیرو کے طور پر ہی اس فانی دنیا سے رخصت ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ کام کرنے والے اداکار محمد علی اور ندیم کئی فلموں میں وحید مراد کے بھائی اور باپ بن کر آئے جن میں خاص طور پر فلم ”آواز“ جس میں اداکار محمد علی نے وحید مراد کے باپ کا کردار ادا کیا اور فلم ”جیواور جینے دو“ جس میں اداکار ندیم نے وحید مراد کے باپ کا کردار ادا کیا جبکہ محمد علی نے بہت سی فلموں میں وحید مراد کے بڑے بھائی کا کردار ادا کیا۔ وحید مراد نے یوں تو بہت سے مرد فنکاروں اور فلمی ہیروئنز کے ساتھ کام کیا لیکن ان کو سب سے زیادہ اداکار محمد علی اور اداکارہ رانی کے ساتھ پسند کیا گیا اور ان دونوں فنکاروں کے ساتھ ریلیز ہونے والی وحید مراد کی اکثر فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ جس دور میں وحید مراد فلموں میں کام کیا کرتے تھے اس دور میں کسی بھی نئی اداکارہ کو فلموں میں انٹرو ڈیوس کروانا ہوتا تو فلساز اور ہدایتکار ہمیشہ اس اداکارہ کو سب سے پہلے وحید مراد کے ساتھ ہی ہیروئن کے طور پر کاسٹ کیا کرتے تھے جیسے اداکارہ انجن کو فلم ”وعدے کی زنجیر“ میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر متعارف کروایا گیا اور اسی طرح اداکارہ روجی بانو کو فلم ”خیمہ“ میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر انٹروڈیوس کروایا گیا، غیر ملکی اداکارہ شمیمہ سنگھ کو فلم ”کالا دھندہ گورے لوگ“ میں وحید مراد کی ہیروئن کے کردار میں فلم بینوں سے متعارف کروایا گیا۔ اداکارہ سائرہ کو فلم ”پھول میرے گلشن کا“

## بہتر گھر

مصنف: علی احمد

ایک شخص نے بہتر گھر خریدنے کیلئے اپنا پہلا والا گھر بیچنا چاہا۔  
اس مقصد کیلئے وہ اپنے ایک ایسے دوست کے پاس گیا جو جائیداد کی خرید و فروخت میں اچھی شہرت رکھتا تھا۔  
اس شخص نے اپنے دوست کو مدعا سنانے کے بعد کہا کہ وہ اس کے لئے گھر برائے فروخت کا ایک اشتہار لکھ دے۔  
اس کا دوست اس گھر کو بہت ہی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اشتہار کی تحریر میں اس نے گھر کے محل وقوع، رقبے، ڈیزائن، تعمیراتی مواد، باغیچے، سونگ پول سمیت ہر خوبی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔  
اعلان مکمل ہونے پر اس نے اپنے دوست کو یہ اشتہار پڑھ کر سنایا تاکہ تحریر پر اسکی رائے لے سکے۔  
... اشتہار کی تحریر سن کر اس شخص نے کہا، برائے مہربانی اس اشتہار کو ذرا دوبارہ پڑھنا۔ اور اس کے دوست نے اشتہار دوبارہ پڑھ کر سنا دیا۔  
اشتہار کی تحریر کو دوبارہ سن کر یہ شخص تقریباً چیخ ہی پڑا کہ کیا میں ایسے شاندار گھر میں رہتا ہوں؟  
اور میں ساری زندگی ایک ایسے گھر کے خواب دیکھتا رہا جس میں کچھ ایسی ہی خوبیاں ہوں۔ مگر یہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ میں تو رہی ہی ایسے گھر میں رہا ہوں جس کی ایسی خوبیاں تم بیان کر رہے ہو۔ مہربانی کر کے اس اشتہار کو ضائع کر دو، میرا گھر بکاؤ ہی نہیں ہے۔  
ایک بہت پرانی کہات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نعمتیں تمہیں دی ہیں ان کو ایک کانڈ پر لکھنا شروع کر دو، یقیناً اس لکھائی کے بعد تمہاری زندگی اور زیادہ خوش و خرم ہو جائے گی۔  
اصل میں ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا ہی بھلائے بیٹھے ہیں کیوں کہ جو کچھ برکتیں اور نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں ہم ان کو گننا ہی نہیں چاہتے۔

ہم تو صرف اپنی گئی جتنی چند پریشانیاں یا کمی اور کوتاہیاں دیکھتے ہیں اور برکتوں اور نعمتوں کو بھول جاتے ہیں۔  
کسی نے کہا: ہم شکوہ کرتے ہیں کہ اللہ نے پھولوں کے نیچے کانٹے لگا دیئے ہیں۔ ہونا یوں چلیئے تھا کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اس نے کانٹوں کے اوپر بھی پھول اگا دیئے ہیں۔  
ایک اور نے کہا: میں اپنے ننگے پیروں کو دیکھ کر کڑھتا رہا، پھر ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے تو شکر کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدے میں گر گیا۔  
اب آپ سے سوال

کتنے ایسے لوگ ہیں جو آپ جیسا گھر، گاڑی، ٹیلیفون، تعلیمی سند، نوکری وغیرہ، وغیرہ، وغیرہ کی خواہش کرتے ہیں؟  
کتنے ایسے لوگ ہیں جب آپ اپنی گاڑی پر سوار جا رہے ہوتے ہو تو وہ سڑک پر ننگے پاؤں یا پیدل جا رہے ہوتے ہیں؟  
کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے سر پر چھت نہیں ہوتی جب آپ اپنے گھر میں محفوظ آرام سے سو رہے ہوتے ہیں؟  
کتنے ایسے لوگ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہتے تھے اور نا کر سکے اور تمہارے پاس تعلیم کی سند موجود ہے؟  
کتنے بے روزگار شخص ہیں جو فاقہ کشی کرتے ہیں اور آپ کے پاس ملازمت اور منصب موجود ہے؟  
اور وغیرہ وغیرہ ہزاروں باتیں لکھی اور کہی جاسکتی ہیں۔۔۔۔۔

کیا خیال ہے ابھی بھی اللہ کی نعمتوں کے اعتراف اور انکا شکر ادا کرنے کا وقت نہیں آیا کہ ہم کہہ دیں  
یا رب لک الحمد کا ینبغی لجلال وجہک وعظیم سلطانتک  
اللہم لک الحمد حتی ترضی و لک الحمد اذا رضیت و لک الحمد بعد الرضا

## بے چین

مصنف: سفیان خان

میکوٹن نے سامنے بیٹھے امیدوار کی طرف غور سے دیکھا۔ یہ دبلا پتلا گندی رنگت کا آدمی کام کی تلاش میں آیا تھا۔ میکوٹن نے اُسے بتایا کہ یہ کام بہت مشقت والا اور عارضی ہے تمہیں نقد ادائیگی کی جائے گی۔ یہ پرانی عمارتیں گرانے کا کام ہے جس میں خطرہ بھی ہے لیکن بیمہ یا صحت کے علاج کے سلسلے میں ممداری کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

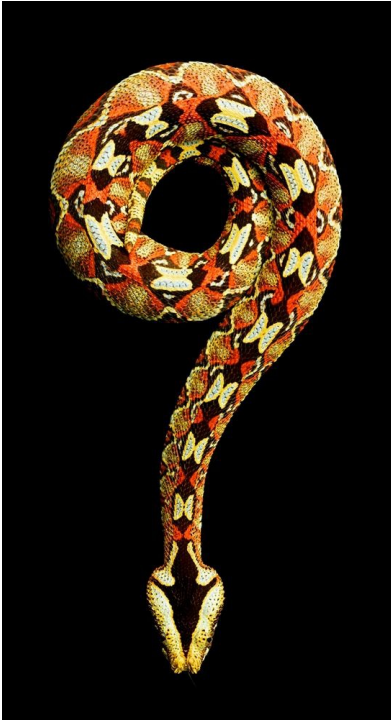
رام لعل نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ اس کا تعلق بھارتی علاقے راجستھان کے ایک غریب گھرانے سے تھا۔ وہ طب کی تعلیم پانے آئرلینڈ آیا تھا۔ اس کا آخری سال تھا، اپنی ضروریات پورا کرنے کی خاطر اُسے مزید آمدن درکار تھی۔ اسی لیے وہ ٹھیکیدار کے دفتر عارضی ملازمت حاصل کرنے آیا تاکہ موسم گرما کی چھٹیوں میں کچھ آمدن حاصل کر سکے۔ میکوٹن نے رام لعل سے کہا، وہ کل سے کام پر جائے۔ اوقات صبح ۷ بجے سے شام کے ۷ بجے ہیں۔ تمام مزدوروں کو ٹرک صبح ۶ بجے اسٹیشن کے سامنے سے لینا ہے۔ ان کا انچارج بل کیمرن ہے، میں اسے بتا دوں گا۔ رام لعل دفتر سے باہر آیا اور ایک کمرہ تلاش کرنے لگا۔ کوشش کے بعد اسے اسٹیشن کے قریب ایک کمرہ مل گیا۔ اتوار کے روز وہ اپنے مختصر سلمان کے ساتھ اس کمرے میں مستقل ہو گیا۔ دوپہر کے وقت وہ بستر پر لیٹا اپنے گائوں کی پہچانوں، کھیتوں اور کسانوں کو یاد کرتا اور سوچتا رہا تھا کہ جلد اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن کر گائوں چلا جائے گا۔ پیر کی صبح رام لعل جلدی اٹھا اور ۶ بجے کے قریب مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ کچھ دیر بعد ٹرک پہنچ گیا۔ اس وقت تک ۱۲ افراد جمع ہو چکے تھے۔ رام لعل کچھ دور ہٹ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں گروپ انچارج بھی پہنچ گیا۔ اس کے پاس مزدوروں کی فہرست تھی اور وہ سب کو جانتا تھا۔ رام لعل اُس کے قریب پہنچا تو فورمین نے پوچھا ”کیا تم وہی کالے آدمی ہو جسے میکوٹن نے ملازم رکھا ہے۔“ اُس نے کہا ”ہاں میں ہی ہری کشن رام لعل ہوں۔“ فورمین بل کیمرن کا رویہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ اس کا قد ۶ فٹ ۱۳ انچ اور جسم طاقتور تھا، شکل سے بھی وہ ایک پہلوان معلوم ہوتا۔ غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔ اس نے حقارت سے زمین پر تھوکا اور رام لعل سے کہا ”جانو ٹرک میں بیٹھو۔“ دوران سفر ایک شخص نے پوچھا ”تم کہاں سے آئے ہو۔“ اس نے کہا ”بھارت کے علاقے راجستھان سے۔“ آدمی نے پوچھا ”کیا تم عیسائی ہو؟“ رام لعل نے کہا ”میں ہندو ہوں۔“ اُس شخص نے پھر جس کا نام برنس تھا، باقی لوگوں سے رام لعل کا تعارف کرایا۔ ایک

شخص نے کہا ”تمہارے پاس کھانا نہیں ہے؟“ رام لعل نے کہا ”میں کل سے لاؤں گا۔“ دوسرے شخص نے پوچھا ”کیا تم نے ایسا مشق کام پہلے کیا ہے؟“ رام نے نفی میں سر ہلادیا۔ اس شخص نے کہا ”تمہیں مضبوط جوتے اور دستانے بھی خریدنے ہوں گے۔“ باتوں باتوں میں رام لعل نے بتایا کہ وہ طب کا طالب علم ہے اور اسے مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے تاکہ کچھ زائد آمدن حاصل کر سکے۔ ٹرک ڈیولڈ روڈ پر ایک کچے راستے پر درختوں کے قریب رک گیا۔ وہاں کومبر کے کنارے شراب کی ایک پرانی فیکٹری تھی جسے گرایا جاتا تھا۔ عمارت کے مالک کی خواہش تھی کہ کم سے کم رقم خرچ ہو۔ لہذا اس نے کسی بڑی کمپنی کے بجائے ٹھیکیدار میکوٹن سے بات کی جو مناسب رقم میں بغیر مشینری کے عمارت گرانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میکوٹن کے مزدوروں نے یہ کام بھاری ہتھوڑوں اور کدالوں کی مدد سے کرنا تھا۔ میکوٹن کو یہ بھی لالچ تھا کہ عمارت ٹوٹنے سے نکلنے والی لکڑی اور سیکڑوں ٹن اینٹیں فروخت کر کے اضافی آمدنی حاصل ہوگی۔ مزدور اوزار اٹھائے عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے پاس بڑے ہتھوڑے، لمبی چھینیاں اور رستے تھے۔ فورمین نے کہا ”چلو بھی کام شروع کرو۔ ہم سب سے پہلے چھت کی ٹائلیں توڑیں گے۔“ رام لعل نے اندر چھت دیکھی جو کسی چار منزلہ عمارت کے برابر اونچی تھی۔ اسے اونچائی سے خوف آتا تھا۔ ایک آدمی نے پرانی لکڑی کا دروازہ توڑا اور آگ جلا کر چائے کا پانی رکھا۔ سب لوگوں نے تام چینی کے مگ نکالے اور چائے پینے لگے۔ رام لعل نے سوچا کہ کل وہ مگ بھی خرید لے گا۔ تاہم برنس نے اپنے مگ میں رام لعل کو چائے دی۔ چھت پر کام شروع ہو گیا۔ ٹائلیں اکھاڑ کے نیچے پھینکی جانے لگیں۔ ۱۲ بجے کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا اور سب لوگ نیچے آگئے۔ چائے بنی اور رام لعل کے سوا سب مزدوروں نے کھانا کھایا۔ اس نے اپنے ہاتھ دیکھے جو جگہ جگہ سے پھل گئے تھے اور سارا جسم دکھ رہا تھا۔ برنس نے رام لعل سے کہا ”لو تم بھی سینڈویچ کھا لو، میرے پاس کافی ہیں۔“ بل کیمرن سامنے بیٹھا تھا، اس نے برنس سے کہا ”تم کیا کر رہے ہو۔ کالے کو اپنا کھانا خود لانے دو، تم صرف اپنی فکر رکھو۔“ برنس نے اپنی نظریں جھکا لیں کیونکہ کوئی بھی فورمین کے آگے نہیں بول سکتا تھا۔ پورے ہفتے کام چلتا رہا۔ عمارت کی چھت، دیواریں، دروازے اور کھڑکیاں نیچے ملے کے ڈھیر پر گرتی رہیں۔ رام لعل کے لیے یہ سخت محنت کا کام تھا، ہاتھ زخمی ہو گئے لیکن رقم کی خاطر وہ محنت کرتا رہا۔ اس دوران فورمین بل کیمرن جسے لوگ ”بگ بلی“ بھی کہتے تھے، رام لعل کے پیچھے لگا رہا۔ مشکل سے مشکل کام اسے دیا جاتا اور وہ بے عزتی کرنے کا بھی کوئی موقع ضائع نہ کرتا۔ ہفتے کے روز تک اندر کا کام پورا ہو چکا۔ اب باہر کی دیواریں باقی تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دیواروں میں نیچے ڈانٹاٹ باٹ لگایا جاتا تو ایک ساتھ پورا ملے نیچے آ گرتا۔ لیکن میکوٹن کے

لے یہ طریقہ ناقابل عمل تھا۔ اس کے لیے لائسنس کی ضرورت تھی جو شمالی آئرلینڈ میں مشکل کام تھا۔ اس کے علاوہ محکمہ ٹیکس اور انشورنس والوں کو بھی ادائیگی کرنا پڑتی۔ لہذا یہ سارا کام مزدوروں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ خود کو خطرہ میں ڈالتے دیواریں ہتھوڑوں سے توڑ رہے تھے۔ کھانے کے وقت فورمین نے ادھر ادھر گھوم کر کام کا جائزہ لیا اور پھر کہا کہ اس طرف کی دیوار کا بڑا حصہ پہلے توڑنا ہے۔ پھر وہ رام لعل کی طرف مڑا اور کہا ”میں چاہتا ہوں کہ تم اوپر چڑھو اور جب دیوار گرنے لگے تو اسے باہر کی طرف دھکا دو۔“ بل کیمرن جانتا تھا کہ رام لعل اونچائی سے ڈرتا ہے۔ رام لعل نے جواب دیا ”اس پوری دیوار میں دراڑ پڑی ہوئی ہے۔ جو بھی اوپر گیا، وہ اس کے ساتھ ہی گرے گا۔“ بل کیمرن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، وہ چیخ کر بولا ”تم مجھے میرا کام مت سمجھاؤ۔ کالے آدمی، جیسا تم سے کہا، وہی کرو۔“ رام لعل اٹھا اور فورمین کے سامنے جا کر بولا۔ ”مسٹر کیمرن! ایک بات صاف ہوئی چاہیے۔ میرا تعلق راجپوت قبائل سے ہے۔ گو اس وقت میرے پاس تعلیمی اخراجات کے لیے رقم کم ہے لیکن میرے آباء واجداد میں دو ہزار سال قبل راجہ، مہاراجہ، شہزادے اور فوج کے سپہ سالار گزرے ہیں۔ اس وقت تم لوگ بندروں کی طرح چاروں ہاتھ پیر پر چلتے اور کپڑوں کی جگہ کھال پہنتے تھے۔ براہ مہربانی آپ میری بے عزتی کرنا بند کر دیں۔ ہر انسان کی اپنی عزت ہوتی ہے جس کی حفاظت اس کا فرض ہے۔“ رام لعل کی یہ مختصر تقریر سب لوگوں نے دم بخود سنی۔ بل کیمرن کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے چیخ کر گالی دی اور کہا ”اچھا تو تم واقعی عزت دار تھے۔“ ساتھ ہی اس نے رام لعل کے منہ پر اٹلے ہاتھ کا زوردار تھپڑ رسید کیا۔ بیچارہ رام لعل زمین سے اڑ کر کئی فٹ دور جا گرا۔ برنس کی آواز آئی ”ڈاکٹر کے زمین سے اٹھنا مت، ورنہ بگ بلی تمہیں جان سے ہی مار دے گا۔“ رام لعل نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دیوار بل کیمرن مٹھیاں بند کئے اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔ رام لعل کا اس سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خاموشی سے پڑا رہا۔ دکھ اور بے عزتی کی تکلیف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بند آنکھوں سے رام نے خود کو وطن میں پایا جہاں اس کے آباء واجداد گھوڑوں پر سوار، تلواروں اور نیزوں سے لیس آس پاس سے گزرتے اسے صرف ایک لفظ کہہ رہے تھے ”انتقام، انتقام۔“ تمہیں اپنی بے عزتی کا انتقام لینا ہوگا۔“ رام لعل خاموشی سے اٹھا اور کام میں لگ گیا۔ سارا دن نہ وہ کسی سے بولا اور نہ کوئی بات کی۔ اس رات جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو باہر گرج چمک ہو رہی تھی اور طوفانی بارش کے آثار تھے۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا جس سے انتقام لے سکے۔ تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہونے لگی۔ اس کی نظر کھڑکی کے شیشہ پر پڑی جہاں بارش کی بوندیں ایک قطار کی شکل میں بہنے لگی تھیں۔ شیشہ پر پڑی مٹی کی وجہ



## غروب آفتاب



چند سینڈ بعد اس نے پائپ اور تمباکو کی تھیلی نکالی ، پائپ بھر کر جلایا اور پینا شروع کر دیا۔ رام لعل مایوسی اور نامیدی کا شکار تھا کہ اس کی چال نے اپنا کام نہیں دکھایا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بے یقینی سے جیکٹ کی طرف دیکھا۔ اسے چند سینڈ کے لیے جیکٹ کے ایک کنارے پر کوئی چیز چلتی نظر آئی۔ جیکٹ کی جیب میں پائپ جانے والے چھوٹے سے سوراخ سے سانپ نکل کر اندرونی سلائی میں چھپ گیا تھا۔ شام کو واپسی کے وقت فورٹین نے اپنی جیکٹ اتار کر اپنے برابر رکھ لی اور مقررہ مقام پر سب لوگ اتر کر اپنے گھر جانے لگے۔ رام لعل نے برنس سے پوچھا کہ کیا بل کیمرن کے بیوی بچے ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ رام لعل اپنے کمرے پہنچا اور دل سے دعا کرنے لگا کہ میں اپنی بے عزتی کا بدلہ بل کیمرن سے لینا چاہتا تھا لیکن اس کے بیوی بچوں کو نقصان پہنچانا میرا مقصد ہر گز نہیں۔ اتوار کا دن بھی انہی سوچوں میں گزر گیا۔ پھر کی صبح بل کیمرن اور اس کے بیوی بچے صبح ۶ بجے کے قریب اٹھے اور ناشتا کرنے باورچی خانے میں جمع ہو گئے۔ بل کیمرن کام پہ جانے کے لیے تیار ہوا۔ اس نے بیٹی سے کہا کہ ذرا میری جیکٹ تو لانا۔ وہ الماری سے نکال کر لائی۔ بل نے کہا: ”اسے دروازے کے پیچھے ٹانگ دو۔ میں ابھی لیتا ہوں۔“ جب بیٹی نے جیکٹ ٹانگی تو وہ پھسل کر باورچی خانے کے فرش پر گر پڑی۔ بیٹی نے غصے سے کہا ”تم سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا۔ جیکٹ اٹھا کر اچھی طرح ٹانگو۔“ ”بابا، یہ آپ کی جیکٹ سے کیا چیز گری۔“ بگ بی کی بیوی، بیٹی اور سب نے اس طرف دیکھا۔ ایک چھوٹا سا جاندار فرش پر پڑا چمکیلی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔

پرمے، سانپ اور دیگر جانور فروخت ہوتے تھے۔ اسے دراصل ایک چھوٹے زہریلے سانپ کی تلاش تھی۔ دکاندار نے بتایا کہ تمھاری خوش قسمتی ہے کہ کل ہی میرے پاس ایک چھوٹا سانپ آیا ہے جو آراکھیراناگ (Saw Scaled Viper) کہلاتا ہے۔ یہ سانپ مغربی افریقہ سے عرب، ایران، پاکستان اور بھارت کے خشک اور نم علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ۱۰-۱۵ سینٹی میٹر تک، رنگ گہرا بھورا اور جسم پتلا ہوتا ہے۔ زہریلے دانت شکار کی جلد پر سوئی جیسے دو سوراخ چھوڑتے ہیں۔ زہر اتنا تیز اثر ہوتا ہے کہ دو تین گھنٹوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کا سبب دماغ میں خون کا اخراج ہوتا ہے۔ رام لعل نے دکان کے مالک سے پوچھا کہ اس سانپ کی کیا قیمت لوگے؟ کچھ دیر بحث کے بعد سودا ۳۵۰ روپے میں طے ہو گیا۔ رام لعل سانپ کو ایک ڈھکن والی بوتل میں بند کر کے گھر چلا آیا۔ لندن سفر کے لیے رام لعل نے ایک سگڑا بکس خرید لیا۔ اسے خالی کر کے اس میں پندرہ چھوٹے سوراخ کیے اور سانپ نرم پتوں کے ساتھ سگڑا بکس میں بند کر کے اسے اچھی طرح ٹیپ سے بند کر دیا۔ اس طرح لندن واپسی کا سفر شروع ہوا۔ شام تک رام لعل اپنے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے سگڑا بکس نکال کر دیکھا۔ سانپ بالکل صحیح حالت میں سیاہ چمک دار آنکھوں سے رام لعل کو گھور رہا تھا۔ رام لعل نے شیشے کا ایک ڈھکن دار مرتبان خالی کیا تاکہ صبح استعمال کیا جائے۔ صبح جلدی اٹھ کر اس نے انتہائی احتیاط سے سانپ کو سگڑا بکس سے مرتبان میں منتقل کیا۔ مضبوطی سے ڈھکن لگایا اور اسے اپنے لچ بکس میں حفاظت سے رکھ دیا۔ مقررہ وقت وہ اسٹیشن پہنچا جہاں سے ٹرک سب مزدوروں کو لیے کام کی جگہ جاتا تھا۔ بل کیمرن کی یہ عادت تھی کہ کام شروع کرنے سے پہلے وہ اپنی جیکٹ اتار کر کسی شاخ پہ اتار دیتا تھا۔ کھانے کے وقفے میں وہ جیکٹ کی جیب سے اپنا پائپ اور تمباکو کی تھیلی نکال کر پائپ ضرور پیتا۔ رام لعل کا ارادہ تھا کہ وہ موقع پا کر سانپ کو بل کیمرن کی جیکٹ کی جیب میں چھوڑ دے گا۔ پھر وہ جیکٹ کی جیب سے پائپ اور تمباکو نکالے گا۔ اس دوران سانپ بل کیمرن کو ڈس لے گا۔ بل کیمرن گھبرا کر ہاتھ جیب سے نکالے گا، تو سانپ اس کے ہاتھ سے لٹکا ہوگا کیونکہ اس کے دانت گوشت میں گڑے ہوں گے۔ منصوبے کے مطابق رام لعل کسی بہانے ۱۱ بجے کے قریب اٹھا۔ اپنا لچ بکس کھول کر سانپ کا مرتبان نکالا ، ڈھکن کھول کر بل کیمرن کی جیکٹ کی داہنی جیب میں اتنا اور فورا واپس آکر کام میں لگ گیا۔ کھانے کے دوران سب لوگ دائرے میں بیٹھ کر سینڈوچ کھانے لگے۔ رام لعل کا دل کھانے میں نہیں لگ رہا تھا، وہ زبردستی سب کے ساتھ بیٹھا۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر فورٹین کی جیکٹ کی طرف دیکھتا۔ آخر کار بل کیمرن نے کھانا ختم کیا ، اٹھ کر اپنی جیکٹ کی طرف گیا اور داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

سے پانی کی قطار سیدھی کے بجائے لہراتی ہوئی بننے لگی۔ اچانک رام لعل کی نظر کونے پر پڑی ڈریسنگ گائون کی ڈوری پہ گئی جو ہوا سے نیچے گر گئی تھی۔ گری ڈوری ایسی گتی تھی کہ پتلا سانپ کندلی مارے بیٹھا ہو۔ رام لعل سمجھ گیا کہ اسے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ اگلے روز رام لعل بذریعہ ریل بیلفاسٹ گیا اور اپنے سکھ دوست سے ملا۔ رنجیت سکھ بھی اس کی طرح طالب علم تھا لیکن اس کے والدین دولت مند تھے اور اسے ماہانہ اچھی رقم اخراجات کے لیے بھیجتے۔ رام لعل نے اس سے کہا کہ مجھے گھر سے اطلاع ملی ہے، میرے والد بستر مرگ پر ہیں۔ میں سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مجھے واپس ہندوستان جانا ہوگا۔ رنجیت سکھ نے کہا کہ ہاں یہی روایت ہے کہ والد کے انتقال کے وقت بڑا بیٹا اس کے پاس ہو۔ رام لعل نے کہا ، میرا مسئلہ ہوائی سفر کے ٹکٹ کا ہے۔ میں کام بھی کر رہا ہوں لیکن میرے پاس کافی پیسے نہیں۔ کیا تم مجھے کچھ رقم ادھار دے دو گے؟ میں زندہ کام کر کے تمھاری رقم لوٹا دوں گا۔ سکھ نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میں کل بینک سے رقم نکلا کر تمھیں دے دوں گا۔ اس روز شام کو رام لعل اپنے ٹھیکیدار مسٹر میکٹون سے ملا اور اپنے والد کے بارے میں بتایا کہ اس کا آخری وقت قریب ہے۔



میں اس سے ملنے جانا چاہتا ہوں۔ یہ ہمارا مذہبی طریقہ ہے کہ مرنے والے کی آخری رسوم اس کا بڑا بیٹا ادا کرے۔ رام لعل نے یہ بھی کہا ”میں نے ہوائی کرائے کی رقم دوست سے ادھار لی ہے۔ اگر میں کل کی پرواز سے روانہ ہو جاؤں تو اگلے ہفتے واپس آ سکتا ہوں۔“ ٹھیکیدار نرم دل آدمی تھا، اس نے کہا ”ٹھیک ہے! تم جاسکتے ہو۔ اگر تم وعدے کے مطابق واپس پہنچ جاتے ہو تو انہی شرائط پر دوبارہ کام شروع کر دینا۔“ رام لعل نے شکریہ ادا کیا اور واپس آ گیا۔ اگلے روز اس نے اپنے سکھ دوست سے رقم ادھار لی اور بذریعہ ریل لندن پہنچ کر بھارت جانے کے لیے ٹکٹ خرید لیا۔ اس طرح ۲۴ گھنٹوں کے اندر وہ ہمیں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک دکان پر پہنچا جہاں پالتو

اس کی دانتی کلائی پر سوئی کی نوک کے برابر دو انتہائی باریک سوراخ ہو چکے تھے۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ سب لوگ کام کے لیے اٹھ گئے۔ عمارت توڑنے کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ سارا ملہ ڈھیر کی صورت میں پڑا تھا۔ دو گھنٹے بعد بل کیمرن نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا، اسے کچھ پسینہ آ رہا تھا۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ہتھوڑا ہاتھ سے رکھا اور اپنے ساتھی سے کہا ”میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں ذرا دیر سایہ میں آرام کر لیتا ہوں۔“ پھر وہ درخت کے نیچے بیٹھا سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس کے پورے جسم کو جھکا لگا اور وہ پیچھے کی طرف الٹ کر گر۔ سب سے پہلے برنس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے پیٹرن کو آواز دی اور کہا: ”بگ بلی بہت بیمار لگ رہا ہے۔ میری بات کا اس نے جواب بھی نہیں دید۔“ سب مزدوروں نے کام چھوڑ دیا اور اس درخت کے پاس آگئے جہاں بل کیمرن زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پیٹرن نے رام لعل کو آواز دی کہ اوسر آؤ اور اسے دیکھو۔ تم طب کے طالب علم ہو، تمہارا کیا خیال ہے؟ رام لعل کو کسی معاینے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن پھر بھی اس نے جھک کر نبض دیکھی اور پیٹرن سے کہا کہ یہ تو مر چکا۔ پیٹرن نے کہا ”سب لوگ یہیں ٹھہریں۔ میں ایبولینس بلاتا اور ٹھیکیدار میکون کو بھی مطلع کرتا ہوں۔“ وہ پھر پیدل سڑک کی طرف روانہ ہوا تاکہ ہاتھ سے فون کر سکے۔ ایبولینس کے پہنچنے پر بل کیمرن کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں ڈاکٹروں نے معاینہ کیا اور بتایا کہ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اس شخص کی موت واقع ہو چکی۔ میکون بھی پریشانی کے عالم میں ہسپتال پہنچ گیا۔ پولیس اور عدالتی کارروائی میں چند روز لگے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق بل کیمرن کی موت قدرتی طور پر ہوئی۔ وجہ دماغ میں شدید اخراج خون تھا۔ عیسائی مذہب کے طریقے کے مطابق تدفین ہوئی جس میں اس کے خاندان، میکون اور دیگر ساتھی بھی شریک ہوئے۔ رام لعل نے تدفین میں شرکت نہیں کی بلکہ وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ گھاس میں کھڑے ہو کر دل ہی دل میں کچھ کہنے لگا ”اے زہریلے سانپ! کیا تم میری بات سن سکتے ہو۔ تم نے وہ کام کر دکھایا جس کے لیے تمہیں راجستھان کی پہاڑیوں سے یہاں لایا گیا تھا۔ میرا انتقام پورا ہو گیا۔ میرے منصوبے کے مطابق تمہیں کام کرنے کے بعد مر جانا تھا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ ابھی نہیں تو کچھ عرصے بعد تم مر جاؤ گے۔ بغیر مادہ کے تمہاری نسل آگے نہیں چل سکتی کیونکہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پائے جاتے۔

باریک دو شاخہ زبان لہراتی نظر آرہی تھی۔ بل کی بیوی بولی ”خدا ہمیں محفوظ رکھے، یہ تو کوئی سانپ ہے۔“ بل کیمرن غصے سے بولا: ”پاگل نہ بنو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آئرلینڈ میں قدرتی طور پر کوئی سانپ نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص یہ بات جانتا ہے۔“ پھر اس نے بیٹے سے پوچھا: ”بولی، تم تو اسکول میں سائنس پڑھتے ہو، تمہارے خیال میں یہ کیا چیز ہے۔“ لڑکے نے سانپ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ”یہ یقیناً کچھو ہے جو عموماً جنگل کی گھاس میں پایا جاتا ہے۔“ بگ بلی نے اپنے بیٹے سے کہا: ”یہ جو کچھ بھی ہے، اسے مار کر باہر پھینک دو۔“ بولی اٹھا اور اپنا جوتا نکال کر اس جانور کو مارنے چلا۔ بل کیمرن کے دماغ میں ایک اور خیال آید۔ اس نے کہا: ”ذرا رک جاؤ اور مجھے ایک ڈھکن والا مرتبان دو۔“ مرتبان آیا تو بلی اٹھا اور بہت احتیاط اور بھرتی سے سانپ کو مرتبان میں منتقل کر دیا۔ سانپ بھی آئرلینڈ کے سرد موسم سے کچھ ست ہو گیا تھا۔ بلی کے بیٹے نے پوچھا: ”ابو آپ اس کا کیا کریں گے؟“ بلی نے کہا: ”ہمارے گروہ میں ایک کالا بھارت سے آیا ہے، وہاں بہت سانپ ہوتے ہیں۔ میں ذرا اس کے ساتھ مذاق کروں گا۔ وہ تو شاید خوف کے مارے مر ہی جائے گا۔“ اس نے جبکٹ پہنی، کھانا لیا اور بیگ میں پھر سانپ والے مرتبان کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر وہ اسٹیشن روانہ ہو گیا۔ وہاں سب لوگ مع رام لعل موجود تھے۔ ٹرک میں سوار ہو کر یہ پارٹی کام والی جگہ پر روانہ ہو گئی۔ وہاں کام شروع ہونے سے پہلے چائے کے دوران بل کیمرن نے چپکے چپکے دیگر لوگوں کو بھی بتا دیا کہ وہ اس کالے کے ساتھ کیا مذاق کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے سوچا کہ یہ ایک بے ضرر کیتڑا ہے، رام لعل کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لہذا ایسے مذاق میں کوئی حرج نہیں۔ کھانے کے وقفے میں سب لوگ حسب معمول دائرے کی شکل میں بیٹھے۔ رام لعل نے کچھ خیال نہ کیا لیکن باقی لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ اس نے اپنا لٹل باکس گھنٹوں پر رکھا اور اسے کھولا۔ سینڈویچ اور سیب کے تھچ چھوٹا سانپ کٹڈی مارے بیٹھا تھا۔ رام لعل کی زبردست چنچ سے علاقہ گونج اٹھا اور ساتھ ہی سب مزدور بے ساختہ زور دار قہقہے لگانے لگے۔ رام لعل نے گھبرا کر اپنا لٹل باکس زور سے ہوا میں اچھال دید۔ سانپ اور سینڈویچ تمام چیزیں چاروں طرف گھاس میں گر پڑیں۔ رام لعل چپختے ہوئے کھڑا ہو گیا اور بولا ”یہ سانپ بہت زہریلا اور خطرناک ہے۔“ سب لوگ پھر سے ہنسنے لگے۔ رام لعل نے ان سے کہا: ”یقین کرو، یہ انتہائی زہریلا سانپ ہے۔“ بل کیمرن کی آنکھوں میں ہنسنے ہنسنے آنسو آگئے۔ وہ رام لعل سے کہنے لگا: ”کمالے آدمی، تم تو بہت ہی بے وقوف ہو۔ کیا تمہیں معلوم کہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پایا جاتا۔“ بگ بلی ہنسنے ہنسنے کچھ تھک گیا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ گھاس پر لیٹ گیا کہ چند منٹ آرام کر لے۔ تب اسے معمولی چپچن کا بھی احساس نہیں ہوا۔

## ترقی

مصنف: سفیان خان



جب کمائی بڑھنے لگی تو جھرو کی بیوی جمیلی کے دل میں لالچ پیدا ہوا اور وہ کمائی کے پیسوں میں سے کچھ پیسے الگ نکال کر اپنے اور اپنے بچوں کا شوق پورا کرنے لگی اور منگو کی بیوی بیلا اور اس کے بچوں سے بھید بھاد کرنے لگی۔ بیلا اس کی ان حرکتوں کو سمجھ گئی، جمیلی فضول خرچ اور لالچی تھی وہ چالاکی سے اپنے داو پیچ چلاتی جب کہ بیلا سمجھ دار اور اچھی عادتوں کی مالک تھی۔ ایک دن بیلا نے جمیلی سے کہا کہ کیوں نہ ہم دونوں اپنا کام الگ الگ کریں اور اپنی اپنی کمائی بھی اپنے پاس رکھیں جمیلی کو یہ بات پسند آئی اور وہ مان گئی۔

کچھ دنوں بعد جھرو اور منگو بھی اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ الگ الگ رہنے لگے۔ جمیلی کی لالچی طبیعت اور فضول خرچی کی خراب عادتوں کی وجہ سے جھرو اور اس کے خاندان کے لوگ پریشان رہنے لگے۔ جب کہ بیلا کی سمجھ داری اور کفایت شعاری سے منگو ترقی کرنے لگا۔ بیلا تھی تو سمجھ دار لیکن پڑھی لکھی نہیں تھی اس نے پڑھنا لکھنا سیکھا اور منگو کو بھی سمجھایا کہ علم سیکھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی، جب جاگے تب سویرا، منگو نے بھی پڑھنا سیکھ لیا اور ترقی کرتے ہوئے اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلوائی آج منگو اور بیلا کے بچے ڈاکٹر اور انجینئر بن گئے ہیں، جب کہ جھرو اور جمیلی اپنی خود کی حرکتوں سے گاؤں سے بھی نچلے درجے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ ہوا یوں کہ اس دوران جمیلی بھی مر گئی۔

یہ بات منگو کو پسند نہ آئی کہ اس کا دوست جھرو اس طرح پریشان رہے اس نے بڑھ کر اپنے دوست کی مدد کی اور اس کے بچوں کی تعلیم کے لیے اچھا انتظام کیا اور نائنٹ اسکول میں ان کا داخلہ کراوید۔ دھیرے دھیرے ایک دوست کی مدد سے دوسرا دوست بھی ترقی کرنے لگا۔ اب جھرو کے بچے بھی ٹیچر بن کر محنت سے پڑھانے کا کام کر رہے ہیں۔ سچ ہے کہ فضول خرچی سے ہمیشہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے جب کہ کفایت شعاری سے ترقی ہوتی ہے۔

§§§

ایک گاؤں میں جھرو اور منگو نام کے دو دوست رہتے تھے۔ دونوں بہت غریب، جاہل اور سیدھے سادھے تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی دونوں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ دونوں فرصت کے وقت مندر کی صاف صفائی بھی کر لیا کرتے اور پیٹھ کر بھیجن کیرتن کرتے تھے۔ یہی ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ دونوں اپنی غریبی کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے۔ ایک دن مندر میں دونوں کی ملاقات ایک پنڈت جی سے ہوئی دونوں نے ان سے اپنی پریشانیاں بتائیں۔ دونوں کی باتیں سن کر پنڈت جی مسکرائے اور کہا: ”تم اس ترقی یافتہ دور میں اپنی بے وقوفی کی وجہ سے بے روزگار ہو۔“ وہ دونوں پنڈت جی کی باتیں چپ چاپ سنتے رہے۔ پنڈت نے ان کی حالت بھانپ کر دونوں سے کہا: ”تم دونوں شہر جاکر اپنے لیے روزگار ڈھونڈ سکتے ہو یہاں پڑے پڑے تمہیں کچھ نہیں ملے والا۔ بغیر محنت و مشقت کے دینے والا کچھ بھی نہیں دیتا۔“ ان دونوں کو پنڈت کی بات سمجھ میں آئی۔



یہ دونوں کبھی بھی گاؤں سے باہر نہیں گئے تھے۔ اس لیے شہر جانے سے ڈرتے تھے۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اب کی بار گاؤں کی جاترا میں جب شہر کے لوگ آئیں گے تو ہم دونوں ان کے ساتھ شہر چلے جائیں گے۔

جھرو اور منگو شہر آگئے۔ شہر کی چکا چوندھ سے وہ جھونچکے رہے گئے۔ کام کی تلاش میں دونوں کئی دنوں تک بھٹکتے رہے وہ جہاں بھی کام کی تلاش میں جاتے تو لوگ ان کے بارے میں پوچھتے اور کیا کام کر سکتے ہو یہ پوچھتے۔ وہ دونوں شہر کے لوگوں کے سامنے کچھ ڈھنگ سے بول بھی نہیں پاتے تھے۔ اور لوگ انہیں دھتکار کر اپنے پاس سے بھگا دیتے۔

ایک دن ہمت کر کے کام ڈھونڈنے نکلے تو اتناج کے گودام میں کام مل گیا۔ کام تھاناچ کی بوریاں ڈھونا، جھرو اور منگو حنفی تو تھے ہی، اپنی محنت اور لگن سے کام کرنے لگے اب دھیرے دھیرے ان کی تکلیفیں دور ہونے لگیں۔ جھرو اور منگو اپنی کمائی کے پیسے اکٹھے ہی رکھتے اور تھوڑی بہت بچت بھی کرتے۔ دن گذرتے گئے اب ان کے رہنے کا مسئلہ بھی دور ہو گیا، انھوں نے کرایے پر ایک کمرہ لے لیا اور گاؤں جاکر اپنے اپنے خاندان کو شہر لے آئے دونوں کی بیویاں جمیلی اور بیلا بھی کام کرنے لگیں اور اپنی کمائی ساتھ ہی رکھنے لگیں ان دونوں کے بچے پڑھنے کے لیے اسکول بھی جانے لگے۔



## نپولین

مصنف: یوسف اقبال

میں اسی لمحے نپولین کے ذاتی محافظ بھی اُسے تلاش کرتے ہوئے وہاں آن پہنچے اور دکان میں داخل ہو گئے۔ سمور فروش کو جب اندازہ ہو گیا کہ اُس نے کس عظیم شخصیت کو پناہ دی تھی تو وہ نپولین کی جانب گھوم گیا اور شرمیلے لہجے میں گویا ہوا ”میں اتنے عظیم آدمی سے یہ سوال پوچھنے پر معذرت چاہوں گا! لیکن سمور کے اِس ڈھیر کے نیچے جب آپ کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگلا لمحہ یقینی طور پر آپ کی زندگی کا آخری لمحہ بھی ہو سکتا تھا تو آپ کو کیا محسوس ہوا تھا؟“ نپولین جو اب پوری آن بان کے ساتھ تن کر کھڑا ہو چکا تھا، سمور فروش کے اِس سوال پر غصے میں آگیا اور برہمی سے بولا ”تمہیں مجھ سے، بلا شاہ نپولین سے، یہ سوال کرنے کی ہمت کیوں کر ہوئی؟“

پھر وہ اپنے محافظوں سے مخاطب ہوا ”محافظو! اس گستاخ شخص کو باہر لے جاؤ۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو اور اسے گولی مار دو! میں بذاتِ خود اس پر فائر کھولنے کا حکم دوں گا۔“ محافظوں نے اُس بے چارے سمور فروش کو دیوچ لیا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ پھر اُسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ سمور فروش کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، البتہ اُس کے کانوں میں محافظوں کے حرکت کرنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں جو دھیرے دھیرے ایک قطار میں کھڑے ہو کر اپنی رائفلیں تیار کر رہے تھے۔

ساتھ ہی اُسے سرد ہوا کے جھونکوں اور کپڑوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ ہوا کے تپیزے اُس کے لباس سے ٹکرا رہے تھے اور اُس کے گال بچ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اُس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں اور وہ اُن پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تب اُس کے کانوں میں نپولین کی آواز سنائی دی جس نے کھنکھارتے ہوئے اپنا گلا صاف کیا اور آہستگی سے بولا ”ہوشیار... شت باندھ لو۔“ اُس لمحے میں یہ جانتے ہوئے کہ اُس کے تمام احساسات و جذبات اُس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے ہیں، سمور فروش کے اندر ایک ایسا احساس نمودیر ہونے لگا، جسے بیان کرنے سے وہ قاصر تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔

اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی جو اُس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ جب وہ آواز اُس کے عین نزدیک آ گئی تو کسی نے ایک جھکے سے اُس کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی۔ اچانک روشنی ہونے سے سمور فروش کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، تب اُس نے نپولین کو دیکھا جو اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اُس کے مقابل کھڑا تھا۔ اُس نے نپولین کے لب وا ہوتے دیکھے۔ وہ نرم لہجے میں بول رہا تھا ”اب تمہیں پتا چل گیا؟“



ابھی وہ اس کام سے فارغ ہوا ہی تھا کہ کاسک فوجی دستہ دندناتا ہوا اُس کی دکان میں آگھسا اور فوجی چیخنے لگے ”وہ کہاں ہے؟“ ”ہم نے اُسے اندر آتے ہوئے دیکھا ہے؟“ سمور فروش کے احتیاج کے باوجود اُن فوجیوں نے سمور فروش کی دکان الٹ پلٹ کر رکھ دی۔ نپولین کی تلاش میں اُنھوں نے دکان کا چپا چپا چھان مارا۔ وہ اپنی تلواروں کی نوکیں سمور کے ڈھیر میں گھساتے رہے لیکن نپولین کو تلاش نہ کر پائے۔

بالآخر اُنھوں نے اپنی کوشش ترک کر دی اور واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد جب سکون ہو گیا تو نپولین سمور کے ڈھیر میں سے ریختا ہوا باہر نکل آیا۔ اُسے کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔

